نمرہ احمد

حالم

تالیہ خواب میں فاتح کے سن باڈ والے گھر میں، خود کو ایڈم کے ساتھ خزانہ تلاش کرتے ہوئے دیکھتی ہے۔ فاتح تالیہ سے اپنی فائل کی واپسی کا مطالبہ کرتا ہے اور اسے اپنے گھر آنے سے منع کر دیتا ہے۔ تالیہ کو عصرہ سے پتا چلتا ہے کہ وہ سکہ ایڈم کے پاس ہے۔ ایڈم اسے ایک جیولر کو بیچ دیتا ہے۔ تالیہ اس کے حوالے سے اسے الجھا دیتی ہے اور جیولر کو بلیک میل کر کے سکہ نکلوا لیتی ہے، مگر سکہ اس کے ہاتھ میں دینے کے بجائے ایڈم اپنے قبضے میں کر لیتا ہے۔

فارس صاحب کے ذریعے فاتح کو حالم کا پتا چلتا ہے۔ فائل کی واپسی کے لیے حالم صبح تک کا وقت مانگتا ہے اور اس منصوبے میں فاتح کو بھی شامل کرتا ہے۔ فاتح اس کی باتوں سے متاثر ہو کر راضی ہو جاتا ہے۔ ایڈم پر سکے کا اسرار کھلتا ہے۔ حالم پتا چلا لیتا ہے کہ فائل اشعر کے آفس میں ہے۔

سمیع، تالیہ کو بلیک میل کرنے آتا ہے۔ بازار میں داتن، سمیع کو خوف زدہ کر دیتی ہے۔ حالم جان پر کھیل کے اگلے روز ہی فائل اشعر کے سیف سے چرا کر لا دیتا ہے۔ فاتح، حالم سے بے حد متاثر ہوتا ہے۔

ایڈم کو تالیہ مشکوک لگتی ہے۔ وہ تالیہ کی گردن پر نشان دیکھتا ہے تو اسے تاریخی کہانی یاد آ جاتی ہے اور وہ سمجھ جاتا ہے کہ تالیہ اس سکے کے پیچھے ہے جو ایڈم کے پاس ہے۔ عصرہ سے فاتح جھوٹ بولتا ہے۔ عصرہ کو فاتح اور اشعر دونوں پر غصہ آتا ہے۔ فاتح سن باڈ کو بیچنے سے پہلے وہاں ایک دن گزارنے جاتا ہے۔ عصرہ، تالیہ کی فرمائش پر اسے بھی بلا لیتی ہے۔ فاتح سن باڈ کے گھر کی کہانی سناتا ہے۔ تالیہ اس گھر کے کنویں کو دیکھ کر سمجھ جاتی ہے کہ خزانہ کہاں ہے۔ وہ فاتح سے اس گھر کو خریدنے کی خواہش کا اظہار کرتی ہے۔



مگر وہ اسے بیچنے سے انکار کرتا ہے۔ فاتح کو یاد آتا ہے کہ وہ عصرو اور بچوں کے ساتھ پہاڑوں کی سیر کو جاتا ہے، جہاں آریانہ کو اس کی آیا دھوکے سے اغوا کر لیتی ہے۔ فاتح، آریانہ کے کرائے ہوئے باپ کارن کے ذریعے آریانہ کی لاش تک پہنچ جاتا ہے۔ آریانہ مزاحمت کے دوران پہاڑ سے گر کر ہلاک ہو جاتی ہے۔ اس کے اغوا کار بھی کھائی میں گر کر مر جاتے ہیں۔ فاتح آریانہ کی مسخ شدہ لاش دفنا دیتا ہے۔ اور اس کی موت کا کسی کو نہیں بتاتا، کیوں کہ وہ جانتا ہے کہ آریانہ کو صوفیہ حسن نے اغوا کرایا تھا۔

ایڈم ملاکہ پہنچ جاتا ہے۔ ایڈم کو یقین دلانے کے لیے تالیہ بریسلیٹ اس کو دے دیتی ہے۔ ایڈم شک میں پڑ کر راستے میں فاتح کو سچ بتاتا ہے۔

تالیہ فاتح کے گھر میں خزانے کا راستہ تلاش کر لیتی ہے۔ فاتح اور ایڈم بھی پہنچ جاتے ہیں۔ فاتح اسے پولیس کے حوالے کرنا چاہتا ہے، مگر تالیہ خزانہ دیکھنے پر بضد ہوتی ہے۔ بالآخر تینوں بحث کے بعد ایک دروازے سے گزرتے ہیں۔ جہاں سے وہ ایک جنگل میں پہنچ جاتے ہیں۔ دروازہ غائب ہو جاتا ہے۔

راستے میں وہی حالات پیش آتے ہیں جو تالیہ خواب میں دیکھ چکی ہے۔ اسے داتن کی باتوں میں سچائی نظر آنے لگتی ہے کہ وہ چودھویں صدی کی لڑکی ہے جو وقت سے آگے نکل آئی تھی۔ خزانے کے لالچ میں، اور سچ کی تلاش میں تالیہ فاتح اور ایڈم پرانے زمانے میں پہنچ جاتے ہیں۔

فاتح پر کھل جاتا ہے کہ تالیہ ہی حالم ہے۔ اب اس کا رویہ بدل جاتا ہے۔ وہ حالات سے گھبرانے کے بجائے جنگل سے نکلنے کا سوچتا ہے۔ اور از خود ان دونوں کا لیڈر بن جاتا ہے۔

جنگل میں تالیہ کو آگہی ملتی ہے۔ کہ شہزادی تاشہ اس کے گاؤں کے لوگوں پر ظلم ڈھا رہی ہے اور اس نے تالیہ کے باپ کو بھی قید کر لیا ہے۔ تالیہ کو شہزادی تاشہ سے نفرت محسوس ہوتی ہے۔ مگر ایڈم اور وان فاتح تاریخی کتابوں کے حوالے سے تاشہ کو جانتے ہیں۔ وہ دونوں تاشہ کی تعریف کرتے ہیں اور وان فاتح تاشہ کا محسن ہے۔

وان فاتح کو اپنے ملک میں ہونے والے انتخابات کی بھی فکر ہے اس کا خیال ہے کہ مراد دوبارہ چابی بنا دے گا تو وہ واپس اپنے ملک چلے جائیں گے اس مقصد کے لیے قدیم ملاکہ جانا ضروری ہے۔

یہ لوگ رین فاریسٹ میں سے راستہ تلاش کر کے جنگل میں جاتے ہیں۔ جہاں تالیہ ہرن کا شکار کر کے اسے آگ پر بھونتی ہے۔ کھانے کی یہ خوشبو قدیم ملاکہ کے لوگوں کو متوجہ کر لیتی ہے۔ اور تین قدیم باشندے وان فاتح، ایڈم اور تالیہ کو زبردستی پکڑ کر اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔ ایسے میں تالیہ کو دوبارہ وہ آگہی ملتی ہے جب وہ ملاکہ کے ایک یتیم خانے میں جانے کیسے پہنچ گئی تھی۔ وہاں کی انچارج مسز ماریہ نے اس کا بریسلیٹ اتار لیا تھا اور ایک سنار کو بیچ دیا تھا مگر وہ سنار کے لیے بدبختی لایا تھا۔ وہ مکمل نہیں رہا تھا۔ ساتھ ساتھ وہ دوسری مصیبتوں میں بھی مبتلا ہو گیا تھا۔ یتیم خانے کی میڈم ایگنیس تالیہ پر چوری کا غلط الزام لگاتی ہے۔ اور اسی ضد میں تالیہ چوری کرنا اور زبردستی اپنا حق چھیننا سیکھتی ہے۔

یتیم خانے میں مسٹر ذوالکفلی آتے ہیں جو تھوڑا وقت بچوں کے ساتھ گزارنا چاہتے ہیں تاکہ اپنا من پسند بچہ ایڈاپٹ کریں۔ ان کا زیادہ وقت تالیہ مراد کے ساتھ گزرتا ہے۔ جو ہر وقت کسی پہاڑی پر محل کا اسکیچ بناتی ہے۔ ذوالکفلی اسے پہلے گلاب اور سکے کا ایک شعبدہ دکھا کر متاثر کرتے ہیں۔

ذوالکفلی ایک کون آرٹسٹ اور اسکامر ہے۔ وہ یتیم خانے میں بچہ ایڈاپٹ کرنے نہیں آیا تھا، بلکہ کسی جگہ نظر رکھنے آیا تھا اور موقع ملتے ہی وہاں سے ہیرا لے اڑا۔ پولیس تالیہ سے اس کا اسکیچ بنواتی ہے۔ تو وہ غلط اسکیچ بنا کر اسے بچا لیتی ہے۔

تالیہ کو بار بار یتیم خانے میں اپنے ساتھ ہونے والا برا سلوک یاد آتا ہے۔ اسے لاہور کے ایک گھر میں لے جایا جاتا ہے، جہاں اس پر اس فیملی کے دادا جی کے قتل کا جھوٹا الزام لگایا جاتا ہے۔ وہ سچائی ثابت کرنے میں ناکام ہو جاتی ہے۔ وہ ملائیشیا کو یاد کرتی ہے۔ جہاں اس نے بالآخر ذوالکفلی کو ڈھونڈ نکالا تھا اور احسان مندی کے طور پر ذوالکفلی نے اسے اپنا سارا ہنر سکھا دیا تھا۔

تالیہ، ایڈم اور فاتح کو "ابوالخیر" نامی آدمی کے کارندے ایک پنجرے میں قید کر کے گھوڑا گاڑی کے ذریعے قدیم ملاکہ کے شہر لے جاتے ہیں۔ تالیہ خود کو اور ایڈم کو آزاد کرا لیتی ہے۔ مگر فاتح کو آزاد کرانے سے پہلے اغوا کاروں کو خبر ہو

جاتی ہے۔ وہ دونوں فاتح کو چھوڑ کر فرار ہو جاتے ہیں۔ فاتح کو ایک قید خانے میں منتقل کر دیا جاتا ہے۔ جہاں ایک "الجبو" قیدی کے ساتھ برا سلوک کیا جاتا ہے۔

قید میں فاتح کو ادراک ہوتا ہے، وہ ماضی میں کسی خاص مقصد سے بھیجا گیا ہے۔ وہ خود کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑنے کے بجائے ان کا سامنا کرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ تالیہ کی ذہانت سے وہ دونوں اپنے اغوا کاروں کو چکمہ دے کر بھیس بدل کر شہر میں ہی پھرتے ہیں۔ جہاں تالیہ پر انکشاف ہوتا ہے کہ وہ خود شہزادی تاشہ ہے اور بنداہارا کی بیٹی ہے۔ بنداہارا مراد اپنے ساتھیوں سے غداری کر کے انہیں پکڑوا دیتا ہے اور خود بادشاہ سے جو اس کا ماموں زاد ہے مل جاتا ہے۔ تالیہ صدمے سے چور ہو کر خزانے کی چابی حاصل کر لیتی ہے اور وقت کا دروازہ پار کر جاتی ہے۔ راجہ مراد، تالیہ کو اپنی تاشہ کی حیثیت سے تسلیم کر لیتا ہے۔

ایڈم، وان فاتح کو ابوالخیر کی غلامی میں کام کرتے ہوئے، موقع پا کر تالیہ کے بارے میں بتاتا ہے فاتح اسے تالیہ کی کہانی سمجھتا ہے۔ تالیہ یہ جان کر غصے میں آ جاتی ہے اور طاقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے تین بے گناہ افراد جن میں ایڈم بھی شامل ہے گرفتار کروا کے مختلف سزائیں دیتی ہے۔ ایڈم کو شاہی کتب خانے میں کام کرنے کی سزا ملتی ہے۔

تالیہ کو اپنے باپ مراد کے خیالات جان کر دھچکا لگتا ہے۔ وہ ہر صورت چابی حاصل کر کے ملائشیا واپس آنا چاہتی ہے۔ مگر راجہ مراد بے جا طاقت کا اور ظلم کا مظاہرہ کر کے تالیہ کو خوفزدہ کر دیتا ہے۔ راجہ کی خاص کنیز شریفہ اس کی جاسوسی کرتی ہے۔ مگر تالیہ اس کی کمزوری پتا چلا کر اس کی وفاداری خرید لیتی ہے۔

ملکہ یان سو فو چینی بادشاہ کی بیٹی اور بادشاہ مرسل کی بیوی ہے مگر وہ ایک ظالم عورت ہے اور اس کے مقابل بنداہارا مراد ہے۔ جو بادشاہ کے فیصلوں پر اثر انداز ہوتا ہے۔

وان فاتح کو ابوالخیر اپنے باورچی خانے میں کام پر رکھ لیتا ہے۔ وہ اسے اچھی غذائیں کھانے کو دیتا ہے تاکہ نیلامی میں اس غلام کی اچھی قیمت ملے۔

تالیہ وان فاتح سے ملاقات کا موقع نکال لیتی ہے۔ وہ جاننا چاہتی ہے کہ تاریخ میں اس نے کیا کارنامے انجام دیے تھے مگر فاتح نہیں بتاتا۔ تالیہ، ایڈم "بنکا رایا لاؤ" کے رائٹر کا تھیلا چرا لیتا ہے۔ جس نے ابھی کتاب لکھنی شروع نہیں کی۔ تالیہ وہ تھیلا لے لیتی ہے۔

ابوالخیر شاہی خزانچی بننا چاہتا ہے، وہ بادشاہ کی دعوت کرتا ہے۔ جہاں ملکہ اور راجہ مراد بھی ہوتے ہیں۔ تالیہ بھی وہاں پہنچ جاتی ہے۔ بادشاہ اس سے متاثر ہوتا ہے۔ ملکہ یان سو فو "وانگ لی" کو شاہی خزانچی بنانا چاہتی ہے۔ مراد، ابوالخیر کو۔ وان فاتح "سن پاؤ" کے وانگ لی سے متاثر ہے۔ دعوت میں سن پاؤ وانگ لی بھی موجود ہوتا ہے۔ ابوالخیر اس سے خطرہ محسوس کر کے فاتح کے ہاتھوں اسے زہر دلواتا ہے مگر فاتح وانگ لی کو خبردار کر دیتا ہے۔

فاتح، وانگ لی سے بے حد متاثر ہے اور اسے خزانچی دیکھنا چاہتا ہے مگر تالیہ ابوالخیر کو خزانچی بنانے کی سفارش کرتی ہے۔ فاتح کو یہ بات ناگوار گزرتی ہے۔ تالیہ، ایڈم کو شاہی مورخ تعینات کرتی ہے۔ فاتح تمام غلاموں میں آزادی کا جذبہ جگاتا ہے اور اپنے ساتھ کا یقین دلاتا ہے۔ راجہ مراد تمام اہم عہدوں پر بادشاہ کو قائل کر کے اپنے آدمی تعینات کروا دیتا ہے اور ہر ادارے کا کنٹرول اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہے۔ تالیہ، شاہی مورخ سے اپنی جھوٹی تعریفیں لکھواتی ہے۔

تالیہ، راجہ مراد کی غیر موجودگی میں اس کے خزانے کے کمرے کی تلاشی لیتی ہے تو اس پر انکشاف ہوتا ہے کہ راجہ خفیہ طور پر کمائی گئی دولت، کسی خفیہ جگہ پر چھپا کر رکھتا ہے۔ تالیہ مسجد کے نام پر پیسہ حاصل کرنے کے لیے ابوالخیر سے ساز باز کر لیتی ہے۔ فاتح کو پتا چل جاتا ہے، وہ ناراض ہوتا ہے اور نیلامی میں وانگ لی کا غلام بننے کو ترجیح دیتا ہے۔ فاتح مستقبل کی باتیں بتا کر وانگ لی کو متاثر کرتا ہے۔

یان سو فو کے والد کو بادشاہ مرسل کی نظر لگ جاتی ہے، وہ اس کے توڑ کے لیے بادشاہ کا مستعمل غسل کا پانی

چاہتی ہے مگر شاہی طبیب آنا کانی کرتا ہے۔ تالیہ مداخلت کر کے طبیب کو ملکہ کا حکم ماننے پر مجبور کر دیتی ہے۔ ملکہ، تالیہ کی جاسوسی کرواتی ہے مگر تالیہ باتوں باتوں میں اس کا دل اپنی طرف سے صاف کر دیتی ہے۔ بادشاہ کے حوالے سے اس کے خدشات بھی دور کر کے واضح کرتی ہے کہ وہ اپنے محبوب کی خاطر ضرور واپس جائے گی۔

فاتح کے کہنے پر محمود مرتی، وانگ لی سے مدد چاہتا ہے مگر وہ انکار کر دیتا ہے۔ وانگ لی کے انکار سے اس کی شخصیت کا بت فاتح کے سامنے ٹوٹ جاتا ہے۔

راجہ مرسل تالیہ کے فن اور تالیہ سے متاثر ہو کر اس سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ ایڈم کی زبانی یہ بات سن کر فاتح کا دماغ گھوم جاتا ہے۔ راجہ مراد کو شک ہو جاتا ہے کہ تالیہ اپنے ساتھ کسی مرد کو لائی ہے وہ اسے تلاش کرواتا ہے۔ تالیہ بھی یہ بات بھانپ لیتی ہے اور فاتح کو خبردار کرتی ہے۔ راجہ مرسل تالیہ کے باپ کو تالیہ کا رشتہ دیتا ہے۔

ملکہ یان سوفو کی کنیز یہ بات ملکہ کو بتاتی ہے۔

پندرھویں قسط

وقت کے اس پار

اس نے خواب میں دیکھا.......

گھنٹی کی تیز آواز سے اس کی آنکھ کھلتی ہے.......

وہ ہڑبڑا کے لحاف جھٹکتی ہے، پھر بستر سے پیر نیچے اتارتی ہے.......

اور چپل پیروں میں ڈالے باہر کو لپکتی ہے.......

اب وہ تیز تیز زینہ پھلانگ رہی ہے، دل زور زور سے دھڑک رہا ہے۔

وہ دروازہ کھول کے باہر ڈرائیو وے پہ آتی ہے۔

سامنے گیٹ کے پار کوئی کھڑا ہے.....اس کے ہاتھ میں ایک ٹوکری ہے۔

اس کے قدم سست پڑ جاتے ہیں۔ وہ گیٹ تک آتی ہے، جنگلے کے اوپر سے ہاتھ بڑھاتی ہے۔ آدمی اس کو ٹوکری پکڑاتا ہے تو وہ وہیں نیچے زمین پہ بیٹھتی چلی جاتی ہے۔ ٹوکری اس کے ہاتھ میں ہے اور چہرہ شکست خوردہ سا لگتا ہے۔

اب وہ ٹوکری میں موجود اشیا پہ ہاتھ پھیر رہی ہے، ان کی خوشبو نتھنوں سے ٹکرا رہی ہے، تیز مانوس خوشبو.......

اور اس کی آنکھیں بھیگتی جا رہی ہیں.......

ٹوکری میں رکھی چیزیں دھندلی نظر آ رہی ہیں...

اور.....خواب ہوا میں تحلیل ہو جاتا ہے.....

☆☆☆

سرد ہوا کے زوردار جھونکے نے اس کے سر سے چنے کی ٹوپی گرا دی۔

تالیہ مراد چونک کے اٹھی۔

وہ سوئی کہاں تھی۔ بس کشتی کے کونے میں بیٹھے بیٹھے گھٹنوں پہ چہرہ ٹکا کے آنکھیں موندی ہی تھیں کہ یہ خواب دکھائی دیا۔ اب آنکھ کھلی تو دیکھا...کشتی پانی پہ تیرتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی اور جزیرہ قریب آتا دکھائی دے رہا تھا۔

"کوئی برا خواب دیکھا ہے کیا؟"

ایڈم ہاتھوں پہ رسی لپیٹتے ہوئے قریب آیا تو اس نے گردن اٹھا کے اسے دیکھا۔ چنے میں ملبوس وہ رسی اٹھائے مصروف دکھائی دیتا تھا۔

"اچھے برے کا معلوم نہیں۔ مگر ہاں...خواب ہی دیکھا ہے۔" اس نے جھرجھری لی۔

"کیا دیکھا آپ نے؟" وہ اس کے قریب آ رکا۔ ساتھ ساتھ رسی بھی لپیٹ رہا تھا۔

"میں نے خود کو اپنے کے ایل والے گھر میں دیکھا۔ گھنٹی بجتی ہے۔ ایسی گھنٹی جس کا مجھے انتظار تھا جیسے۔ کوئی عادت ہو جیسے۔ میں بھاگ کے دروازہ کھولتی ہوں تو مجھے کوئی شخص ایک ٹوکری دیتا ہے جیسے تحفہ ہو.....مگر میں....."

وہ کہتے کہتے رک گئی جیسے خود میں ہی الجھ گئی ہو۔

"تحفہ ملنے پہ یوں غمگین کون ہوتا ہے ایڈم؟"

"جو خزانے ڈھونڈنے کے لیے جاتا ہے اور وقت کے اس پار کھو جاتا ہے.....شاید وہ۔" اداسی سے مسکراتے ہوئے ایڈم نے رسی کا گچھا دور ایک سپاہی کی طرف اچھالا جس نے فوراً اسے تھام لیا۔ دوسرے سپاہی اور خادم بھی لنگر انداز ہونے کی تیاریوں میں لگے ہوئے تھے۔

"مگر اس ٹوکری میں کیا تھا؟" اس نے آنکھیں بند کر کے یاد کرنا چاہا۔ "میں اس چیز کی خوشبو پہچانتی ہوں۔ ایسے جیسے.....جیسے رسیلا چاکلیٹ....." پھر اس نے گہری سانس لی اور کھڑی ہوئی۔

"خیر.....ایک بات تو طے ہے کہ ہم اس زمانے کی قید سے جلد نکل جائیں گے۔"

"ہم یا صرف آپ؟"

تالیہ نے گلہ آمیز نظروں سے اسے دیکھا۔

"تمہیں لگتا ہے، میں تم دونوں کو چھوڑ کے جا سکتی ہوں۔"

"جی بالکل، مجھے ایسا لگتا ہے۔ کیونکہ.....آپ اوپس فیصد خزانہ بھی مجھ سے بانٹنا برا لگ رہا ہو گا اندر ہی اندر۔"

"ہاں لگ تو رہا ہے۔ بیس فیصد جتنا کام تو تم نے کیا نہیں ہے۔ ہونہہ۔" بالوں کو بے نیازی سے پیچھے جھٹکا اور عرشے پہ آگے بڑھ گئی۔ جزیرہ جیسے قریب آ رہا تھا.....سورج اسی رفتار سے ڈھلنے کی تیاری میں تھا۔

ایڈم نے کینہ توز نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے گہری سانس بھری۔

"پتے تالیہ جل بھی جائیں تو ان کے بل نہیں جائیں گے۔" یہ تو طے تھا۔

☆☆☆

بندا ہارا کے دربار میں کھڑا وان فاتح کہہ رہا تھا۔

"وہ ایک سمندری سفر پہ گئی تھی جس سے وہ لوٹ کے نہیں آئی تھی۔ اگر تم اس کو بچانا چاہتے ہو تو اسے کسی سمندری سفر پہ نہ بھیجنا۔"

مراد راجہ کے دل پہ کسی نے پیر رکھ دیا۔

"بس یہی یا کچھ اور بھی جاننا چاہتے ہو تم راجہ؟" بے تاثر سے انداز میں اس نے بات جاری رکھی۔

مراد کی گردن میں گلٹی سی ڈوب کے ابھرتی دکھائی دی۔ مگر چہرے کے تاثرات اس نے بہت ضبط سے ہموار رکھے۔

"مجھے تمہاری کسی بات پہ یقین نہیں ہے۔ جاؤ اور میرے قید خانے میں اپنی باقی ماندہ زندگی گزارو۔" وہ قدرے غصے اور حقارت سے ہاتھ جھلا کے بولا تو فاتح ہلکا سا مسکرایا۔

"بہت جلد تم اتنے مجبور ہو جاؤ گے مراد راجہ کہ تم مجھے خود یہاں واپس بلاؤ گے اور اس کرسی (تخت کے ساتھ والی کرسی کی جانب اشارہ کیا) پہ بٹھا کے میرے ساتھ مذاکرات کرو گے۔"

مراد نے جواب نہیں دیا۔ ہاتھ دوبارہ جھلایا اور رخ موڑ لیا۔ سپاہی تیزی سے وارد ہوئے اور اسے بازوؤں سے پکڑا۔ اس نے مزاحمت نہیں کی۔ بس ایک نظر راجہ پہ ڈالی جو کمر پہ ہاتھ باندھے رخ موڑ گیا تھا اور پلٹ گیا۔

"عارف!" اس کے جانے کے بعد مراد قدرے بے چینی سے عارف کی طرف گھوما جو فکر مند سا وہیں کھڑا تھا۔ پیشانی شکن آلود تھی اور آنکھوں میں پریشانی تھی۔

"کیا تمہیں اس آدمی کی باتوں پہ یقین ہے؟"

عارف نے ایک نظر بند دروازے پہ ڈالی جہاں سے فاتح ابھی گیا تھا۔
"اس کی پیشانی کشادہ اور آنکھیں روشن ہیں۔ جھوٹے لوگوں کے چہرے ایسے نہیں ہوتے۔"
"پھر تم ابھی اسی وقت جنوبی محل کی طرف روانہ ہو جاؤ اور شہزادی کو بحفاظت واپس لے آؤ۔ ابھی' عارف!" آخر میں اس کی مضطرب آواز بلند ہوئی تو عارف نے جھٹ سر جھکا دیا۔
"جو حکم راجہ!" اور پھر تیزی سے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔
مراد اب مارے اضطراب کے دربار میں دائیں بائیں چکر کاٹ رہا تھا۔ وہ اندر تک ہل کے رہ گیا تھا۔

☆☆☆

شام ڈھل گئی تو بند اہارا محل کے در و دیوار نے سرگوشیوں میں ایک دوسرے کو تہ خانے کا احوال سنایا۔ کھڑکیاں احتجاجاً ذرا کھڑکیں اور دروازوں نے اپنے پٹ جھلائے مگر اونچے ستون بے حسی سے قید خانے کا منظر نامہ سنتے رہے۔
وہ جیل نیچے تہ خانے میں بنی تھی۔ تاریک کال کوٹھڑیوں کی قطار جن کے دروازے آہنی اور سلاخ دار تھے۔ ایسی ہی ایک کوٹھڑی کے اندر زمین پہ فاتح بیٹھا تھا۔ اس کے ہاتھ کھلے تھے مگر دائیں پیر سے بندھی زنجیر کے سرے پہ بڑا سا لوہے کا وزن بندھا تھا جس کے باعث وہ چند قدم سے زیادہ نہیں چل سکتا تھا مگر اس نے کھڑے ہونے کی کوشش بھی نہیں کی۔ بس کونے میں اکڑوں بیٹھا دیوار کو دیکھتا رہا۔
دیوار پہ لگے گارے اور اینٹوں پر وہ ناخن سے لکیریں کھینچ کے حساب کتاب کر رہا تھا۔
"کیا سوچ رہے ہیں آپ؟" آریانہ دوسرے کونے میں چپکے سے آن بیٹھی تھی۔ فاتح نے نظریں اس کی طرف اٹھائیں۔
وہ سفید ہنجر بینڈ میں بال جکڑے آلتی پالتی مار کے بیٹھی اس کو غور سے دیکھ رہی تھی۔
"کتنے گھنٹے بیت چکے' یہ حساب کر رہا ہوں۔ تمہارے باپ کے پاس ہمیشہ پلان ہوتا ہے اور میرے حساب کے مطابق وہ ٹھیک جا رہا ہے۔" وہ دوبارہ ناخن سے لکیر کھینچنے لگا۔
"آپ کو ڈر نہیں لگ رہا؟"
"مجھے ڈرنا نہیں' محض انتظار کرنا ہے۔ وقت کے اس پار جانے کا انتظار۔"
"اور اس کے بعد؟ واپس جا کے آپ تالیہ کے ساتھ کیا کریں گے؟"
"وہی جس کا میں نے اس سے وعدہ کیا ہے۔ میں اس کو آزاد کر دوں گا۔ وہ اپنی زندگی گزارے خوش رہے' میں اپنی زندگی گزاروں گا۔"
اس نے ہلکے سے کندھے اچکائے اور ایک لکیر کھینچی۔ ناخن کی سوکھے گارے سے رگڑے جانے کی آواز سنائی دی۔
"اور اگر کسی موقعے پہ آپ کو 'واپسی' یا 'تالیہ مراد' میں سے کسی ایک کو چننا پڑا تو کیا کریں گے؟" وہ چونکا۔ "تمہیں یہ خیال کیسے آیا؟" بے حیرت سے اس نے کونے میں بیٹھی آریانہ کو دیکھا جواب میں وہ استہزائیہ مسکرائی۔
"مجھے؟ مگر میں تو کوئی نہیں ہوں' ڈیڈ۔ آپ کا لاشعور ہوں جو آپ سے پوچھ رہا ہے کہ اگر چناؤ کا موقع آیا تو کیا کریں گے آپ؟"
اس نے جواب نہیں دیا۔ بس گردن موڑ کے دیوار پہ بنی لکیروں کو دیکھنے لگا۔ ماتھے پہ بل پڑ چکے تھے اور آنکھوں میں بے چینی در آئی تھی۔ ذہن میں ایک دم آوازوں کا ہجوم اکٹھا ہو گیا تھا۔
(ایک وقت آئے گا جب آپ مجھ سے کہیں گے کہ آپ کو میری ضرورت ہے وان فاتح! کہ آپ کے ساتھ رہوں۔) تالیہ ہنسی تھی۔
(یہ ایک بے وفا آدمی ہے جس کو وعدے نبھانے نہیں آتے۔) ملکہ کی آواز میں سنجیدگی تھی۔

("میں وان فاتح ہوں اور مجھے کبھی کسی کی ضرورت نہیں ہوتی۔") اس نے ایک زمانے میں بھی یہ کہا تھا۔
(وان فاتح کو صرف وان فاتح سے محبت ہے!) عصرہ بے رحم ہوئی تھی۔
آوازیں... یادیں... سب دیوار پہ بنی لکیروں سے ٹکرا رہی تھیں۔ وہ سر جھٹک کے اپنی توجہ منصوبے پہ مرکوز کرنے لگا۔

☆☆☆

تین چاند والے جزیرے پہ سورج ڈوب رہا تھا۔ کشتی ساحل پہ لنگر انداز ہو چکی تھی اور سپاہیوں کا گروہ ریت پہ اترا کھڑا تھا۔ دائرے کی صورت وہ تالیہ اور ایڈم کے گرد کھڑے تھے۔ مورخ خاموش تھا بلکہ چغہ پوش شہزادی ان کو ہدایات دے رہی تھی۔
"سب ٹولیوں کی صورت جزیرے میں پھیل جاؤ' مگر ساحل کی پٹی کے ساتھ ساتھ۔ اندر کی طرف جنگل شروع ہو جاتا ہے۔ ہمیں رات میں جنگل کے اندر نہیں جانا۔ صرف ساحل کی پٹی کے ساتھ جزیرے کا محاصرہ کرنا ہے۔ کوئی بھی غیر معمولی چیز نظر آئے تو اسی صورت میں......" اس نے ایک ترکش سامنے کیا جو تیروں سے بھرا تھا۔ "یہ آتش بار تیر ہیں اور تم سب کے پاس یہ موجود ہیں۔ اس کو سلگا کے ہوا میں چھوڑ دو گے تو یہ فضا میں پھٹ جائے گا اور روشنی دیکھ کے باقی سب تمہاری طرف بھاگے آئیں گے۔"
"جو حکم شہزادی!" سپاہی سر ہلا رہے تھے۔
"آپ میرے ساتھ رہیے گا۔" وہ سب بکھر گئے تو ایڈم نے مربیانہ انداز میں کہا۔
"اوہ! اتنے بڑے ہو گئے ہو اور اندھیرے سے ڈرتے ہو؟ چچ چچ!" تالیہ نے سادگی سے پلکیں جھپکائیں۔
ایڈم کی پیشانی پہ بل پڑے۔ "میں آپ کے لیے کہہ رہا تھا۔"
"میرے لیے؟" وہ ہنسی۔ "میں تاشہ ہوتا ہوں' میں کسی سے نہیں ڈرتی۔" پھر بالوں کو جھٹکا' چغے کی ٹوپی برابر کی اور ایک طرف کو مڑی تو ایڈم بولا۔
"ابھی تک نہ میں نے بنگارایا ملایو میں آپ کو "ساحرہ" کا لقب دیا ہے' نہ ہی ملاکہ میں کوئی آپ کو اس نام سے پکارتا ہے۔"
"شاید وہ وقت ابھی آتا ہے جب میں پہونا ہوں گی۔ تم جلنا چھوڑو۔ اور خزانے کو تلاش کرو۔" گھمنڈی شہزادی اس کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے ایک طرف کو چل دی۔ ایڈم ضبط کے گھونٹ بھرتا رہ گیا۔
سورج ڈوب گیا اور جزیرے پہ اندھیرا چھا گیا۔ ایسے میں پورا چاند آسمان پہ چمکنے لگا۔
جزیرہ بالکل خاموش تھا۔ کسی فوج' کسی مخلوق کی چاپ تک نہ سنائی دیتی تھی۔ کیا واقعی خزانہ اسی جزیرے پہ تھا؟ یا ان کے سارے حساب کتاب غلط تھے؟
وہ ٹھنڈی ریت پہ قدم بہ قدم چل رہی تھی۔ چوکنی نظریں چاروں طرف لگی تھیں۔ جزیرہ بالکل خاموش اور ساکن تھا۔ سوائے ساحل کی لہروں کے شور کے کوئی آواز......
پھر ایک دم آواز سنائی دی۔ غراتی ہوئی آواز۔ وہ سناٹے میں رہ گئی۔
پس ثابت ہوا کہ جزیرہ زندہ تھا۔ ملاکہ کے اس قدیم جنگل کی طرح جس میں وہ چار دن تک چھپے رہے تھے۔
تالیہ محتاط انداز میں آواز کی سمت چلنے لگی۔ آواز کسی جانور کے ڈکرانے کی معلوم ہوئی تھی۔
جوتے میں کوئی سوراخ ہو گیا تھا جو ریت پیروں میں گھس رہی تھی۔ یوں لگتا تھا وہ ٹھنڈی ریت پہ ننگے پیر چل رہی ہے۔
ننھی ننھی چیزیں پیروں میں چبھ رہی تھیں مگر وہ چبھن سے بے پروا قدم اٹھاتی رہی۔ چغے کی ٹوپی نے اس کے سر کو ڈھانپ رکھا تھا مگر ہوا کے باعث وہ

پشت سے پھڑ پھڑا رہا تھا۔

دفعتاً ایک مقام پہ وہ ٹھہری۔ سامنے آسمان پہ مکھن کی ٹکیا جیسا چاند چمک رہا تھا۔ اس نے نظریں دائیں طرف موڑیں۔ وہاں ایک چھوٹی سی پہاڑی تھی جس کی چوٹی خوب روشن تھی۔ جیسے شیشے کی بنی ہو......

اس چوٹی کے چمکتے شیشے میں ایک دوسرا چاند نظر آ رہا تھا......

وہ ایک دم گھومی۔

ہوا سے چنے کی ٹوپی پیچھے کو ڈھلک گئی۔ مگر اس کی سیاہ آنکھیں سامنے جم گئیں......

وہاں سیاہ کانچ جیسے سمندر کا پانی بہہ رہا تھا اور ایک چاند پانی کی سطح پہ چمک رہا تھا......

"جہاں ملتے ہیں تین چاند۔"

وہ چونک کے بڑبڑائی...... پھر اس کے ہونٹ مسکراہٹ میں ڈھلے......

"یہاں...... ہاں یہاں ملتے ہیں تین چاند۔"

پہاڑی کی چوٹی شیشے یا کانچ کی بنی لگتی تھی۔ چاند آسمان پہ چمک رہا تھا مگر اس کا عکس سمندر کے پانی اور چوٹی دونوں میں دکھائی دے رہا تھا۔

"تین چاند۔" اس نے گہری سانس لی۔ "تو یہ تھے تین چاند۔" ان ہی کے آس پاس آواز آئی تھی۔

"ہے تالیہ۔" ایڈم نے قریب سے آواز دی تو وہ چونکی۔ وہ پیچھے سے تیز تیز آ رہا تھا۔

تالیہ کے ماتھے پہ بل پڑے۔ "سنو! تم باڈی مین ہو گئے وان فاتح کے...... میں اپنی حفاظت خود کر سکتی ہوں۔"

ایڈم نے جواب نہیں دیا۔ ایک دم ترکش سے تیر نکالا اور تالیہ کی طرف کمان تان کے تیر چلا دیا۔ وہ ہکا بکا رہ گئی۔ تیر زن سے اس کے پاس سے ہوا میں تیرتا پیچھے کو گیا۔ تالیہ گھومی۔

پہاڑی کے قدموں میں ایک آدمی کھڑا تھا اور وہ تالیہ کی طرف تلوار تانے بھاگا چلا آ رہا تھا۔ تیر اس کے ہاتھ پہ لگا تو تلوار چھوٹ گئی۔ وہ کراہ کے پیچھے گ

تالیہ نے جھٹ اپنا تیر کمان اس پہ تان لیا۔

"آپ اپنی حفاظت خود کرنا جانتی ہیں شہزادو ہے نا۔" طنز سے کہتا ایڈم قریب آیا۔ تالیہ نے بس تھوک نگلا۔ نظریں اس آدمی پہ جمائے رکھیں۔

اس کی تلوار دور جا گری تھی۔ تلوار اٹھانے کے بجائے وہ لڑکھڑاتا ہوا اٹھا اور پیچھے ہٹنے لگا۔ ہاتھ سے بھل بھل خون بہہ رہا تھا۔

"رک جاؤ ورنہ اگلا تیر تمہاری گردن کے آر ہو گا۔" وہ تیر سے اس کا نشانہ لے کر غرائی تو آدمی ٹھٹک گیا۔ تالیہ نے اس کے آس پاس نظر دوڑائی۔

"تمہارے ساتھی کہاں ہیں؟ بولو! کہاں ہیں مراد اور راجہ کے دوسرے آدمی۔"

وہ خستہ حال چلنے والا جنگلی سا آدمی لگتا تھا۔ جواب دینے کے بجائے دائیں طرف دیکھنے لگا۔ ہونٹ بند رہے۔

"میں کچھ پوچھ رہی ہوں۔" مگر وہ مسلسل دائیں طرف دیکھ رہا تھا جیسے کسی کا منتظر ہو۔

"کہیں اس کے ساتھی حملہ ہی نہ کر دیں۔ ہمیں سپاہیوں کی ضرورت ہے۔"

ایڈم نے فکرمندی سے کہتے ہوئے آتش بھرے تیر کو سلگایا اور زور سے اوپر فضا میں چھوڑا۔ اوپر جا کے پھٹ گیا۔ ہر سو آتش بازی کی صورت روشنیاں بکھر گئیں اور پھر اندھیرا چھا گیا۔ مگر ذرا روشنی میں تالیہ کو اس آدمی کے دائیں طرف کو حرکت دکھائی دی تھی۔

کوئی رینگتی ہوئی شے۔ جو اس طرف بڑھ رہی تھی۔

تیر کمان تانے تالیہ کی نظریں اس طرف اٹھیں۔ چاندنی میں اب واضح دکھائی دینے لگا تھا۔ زمین پہ کوئی چیز رینگ رہی تھی۔ چھپکلی کی شکل مگر مچھ۔ لیکن عام مگر مچھ سے دو گنا۔

"کموڈو ڈریگن ہے یہ تو۔" تالیہ چونکی۔ "تو راجہ نے اپنے خزانے کی حفاظت کے لیے کموڈو ڈریگن پال رکھا ہے اور اس کا خیال یہ شکار باز رکھتا ہے یعنی......"

"یعنی اس آدمی کا کوئی ساتھی ادھر تعینات نہیں ہے۔ بس ایک ڈریگن کافی ہے۔"

ڈریگن (اژدھا) زمین پہ رینگتا آہستہ آہستہ اس آدمی کے سامنے آ رکا۔ اس کا بھاری پیٹ نیچے رگڑتا ریت پہ نشان بناتا جا رہا تھا۔ سامنے آ کے اس نے منہ کھولا اور غرایا۔ ایڈم اور تالیہ نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

"اب کیا کریں؟" وہ ذرا فکرمند ہوئی۔ ڈریگن ایک ہی نوالے میں سالم بندہ نگلنے کی صلاحیت رکھتا تھا اور یہ آج کے ملائیشیاء کے ڈریگن سے دگنا تھا۔ یہ تو ایک ہی سانس میں ان دونوں کو ہضم کر جاتا۔

"ایسا کرو تم اس آدمی پہ تیر چلاؤ اور میں ڈریگن کا نشانہ باندھتی ہوں۔ ان دونوں کو مار کے ہی ہم اس پہاڑی تک جا سکتے ہیں۔ یہ اگر اس پہاڑی کی حفاظت کر رہے ہیں تو خزانہ ادھر ہی ہے۔"

"مگر ہم کموڈو ڈریگن کو نہیں مارتے۔" ایڈم ایک دم بولا۔

"اف ایڈم......" اس نے دانت پیسے۔ "یہ ہمیں کھا جائے گا۔"

مگر ایڈم نے کمان نیچے کر دی۔ "ہم سانپ کو بھی نہیں مارتے۔ ان کو ان کے علاقوں میں چھوڑ دیتے ہیں۔ میں نے وائلڈ لائف پارک میں ایک بچی کی جان بچائی تھی کموڈو ڈریگن سے...... لیکن میں نے اس کو بھی نہیں مارا تھا۔ نہیں ہے تالیہ...... ہم جانوروں کو مارنے والے لوگ نہیں ہیں۔" اس کے اندر کا اورنگ اصلی جاگ گیا تھا۔ تالیہ چند لمحے اسے دیکھتی رہی۔

"تو تم کموڈو ڈریگن سے پہلے مقابلہ کر چکے ہو؟" اس نے اپنا تیر کمان نیچے کر لیا۔

"میں اس سے ایک بچی کی جان بچا چکا ہوں لیکن سرکاری اعزاز دیتے وقت مجھے بھلا دیا گیا تھا۔"

"مگر تم تو اس واقعہ کو نہیں بھولے نا۔ ہو سکتا ہے اس دنیا کے واقعات اس دنیا کی تیاری کے لیے ہوں۔ جاؤ اور ہمیں اس ڈریگن سے نجات دلاؤ۔" شہزادی نے کمان بلند کر کے اس طرف اشارہ کیا جہاں ڈریگن تھا۔

شہزادی کے حکم پہ ایڈم نے بے اختیار تھوک نگلا۔ چند فٹ کے فاصلے پہ ڈریگن کھڑا غرا رہا تھا اور شکار باز اس کی اوٹ میں کھڑا اپنے زخم کو دوسرے ہاتھ سے دبائے ہوئے تھا۔ خون دھاروں کی صورت بہہ رہا تھا مگر اس کی بے تاثر آنکھیں ایڈم پہ جمی تھیں۔ عجیب پتھریلا چہرہ تھا اس کا۔

"کیا نام ہے تمہارا؟" ایڈم بھاری آواز میں استفسار کرتے ہوئے آگے بڑھا۔

پیچھے دوڑتے قدموں کی آواز آ رہی تھی۔ ایک ایک کر کے سپاہی وہاں اکٹھے ہو رہے تھے۔ تالیہ نے ان کو خاموشی سے اپنے عقب میں کھڑے ہونے کا اشارہ کیا۔ انہوں نے اپنے کمان تانے وہیں جگہ سنبھال لی۔

"احمد... کمال... علی... ایسا ہی کوئی نام ہو گا تمہارا۔" ایڈم تبصرہ کرنے والے انداز میں ڈریگن کی سیدھ میں کئی فٹ کے فاصلے پہ ٹھہر گیا۔ سنجیدہ نظریں اس شکار باز پہ جمی تھیں۔

"مفید۔" وہ دھیرے سے بولا۔ "مفید نام ہے میرا اور تم نے اگر آگے بڑھنے کی کوشش کی تو میرا دوست تمہیں نگل جائے گا۔"

"یعنی تم نے اس کی اچھی تربیت کی ہے، مفید!" وہ اونچی آواز میں بولا۔ "یہ جانور تمہارا پالتو ہے۔ تمہارے اشارے کی تعمیل کرنا جانتا ہے۔"

"یہ سب کچھ کرنا جانتا ہے۔"

"سب کچھ کرنا تو تم بھی جانتے ہو، لیکن کیا یہ معلوم ہے کہ تم یہ سب کیوں کر رہے ہو؟"

چاندنی میں ڈوبا خاموش جزیرہ... اور اس پہ ایڈم کی آواز... سب خاموشی سے اسے سن رہے تھے۔ تالیہ البتہ بے چینی سے بار بار ڈریگن کو دیکھتی تھی۔ کمان تانے وہ ڈوری کو پیچھے کھینچے ہوئے تھی۔ ادھر انگلی چھوڑی ادھر تیر ڈریگن کی آنکھ میں جا لگے۔

"ہر انسان کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ جو وہ کر رہا ہے، وہ اسے "کیوں" کر رہا ہے! تم بتاؤ۔ تم اس بیابان جزیرے پہ ایک جانور کے ساتھ راجہ کے خزانے کی حفاظت کیوں کر رہے ہو۔"

"تم کچھ نہیں جانتے۔" زخمی شکار باز غصے سے بولا۔ "یہ چند مشکل دن ہم نے گزارنے ہیں، پھر ہمارے پاس اتنا خزانہ اکٹھا ہو جائے گا کہ ہم ساری دنیا پہ حکومت کریں گے۔" اس کے لمبے بال کندھوں کو چھو رہے تھے۔ میلا کچیلا چہرہ، اُلجھی داڑھی... لہو ٹپکاتی آنکھیں... وہ ذہنی طور پہ صحت مند نہیں لگتا تھا۔

"تو یہ وعدہ کیا ہے راجہ نے تم سے؟"

"مراد راجہ ہمارا سردار ہے اور یہ خزانہ... یہ صرف ہمارا ہے۔"

"میرے پیارے دوست!" دونوں پہلوؤں پہ ہاتھ رکھے کھڑے ایڈم نے افسوس سے گہری سانس لی۔ "تم غالباً مراد راجہ کے تخت سنبھالنے کے دن سے یہیں ہو۔ تم نہیں جانتے کہ ملاکہ میں کیا ہو رہا ہے۔ بے وقوف انسان! مراد راجہ اس وقت ملاکہ کا بے تاج سلطان بن چکا ہے۔"

"نہیں۔ ابھی سلطان مرسل زندہ ہے۔" شکار باز فوراً غرایا۔ "جب وہ مرے گا تو ہم حکومت کریں گے۔"

"تم کتنے بے وقوف ہو، مفید۔ تم یہاں مراد راجہ کے خزانے کی حفاظت کر رہے ہو اس آس میں کہ مراد، سلطان کو قتل کر کے تخت سنبھال لے گا؟ نادان انسان... وہ سلطان کو کبھی قتل نہیں کرے گا۔ پوچھو کیوں؟"

"وہ سلطان کو قتل کر دے گا۔" وہ ہٹ دھرمی سے چلایا۔ خون بہاتے ہاتھ کو مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا۔

"نہیں کرے گا۔ کیونکہ وہ اپنی بیٹی شہزادی تاشہ کی شادی مرسل شاہ سے کر رہا ہے۔ کیا اپنے داماد کو قتل کرے گا وہ؟"

"تم جھوٹ بول رہے ہو کیونکہ مراد راجہ کی کوئی بیٹی تاشہ نہیں ہے۔"

"میں ہوں۔ مراد راجہ کی بڑی بیٹی، اور اللہ شاہد ہے کہ میں سچ کہہ رہی ہوں۔" تیر سے اس کا نشانہ باندھے، وہ بلند آواز میں بولی تو مفید بے اختیار اس کو دیکھنے لگا۔

"شاید تمہیں میرے بابا نے اپنے بارے میں ہر بات نہیں بتائی۔ میں شہزادی تاشہ بنت مراد ہوں اور مجھے میرے بابا نے یہ خزانہ لینے اور تمہیں مارنے بھیجا ہے... لیکن میرا یہ جرنیل چاہتا ہے کہ تمہاری جان بخش دی جائے۔"

ایڈم نے گردن موڑ کے اسے گھورا۔ (اپنی کہانیاں گھڑنے والی عادتوں سے آپ باز نہ آئیے گا۔)

"اب بتاؤ، مرنا چاہتے ہو یا قید ہونا چاہتے ہو۔"

"نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "تم لوگ جھوٹ بول رہے ہو۔"

"مجھے بات کرنے دیں۔" ایڈم ہلکے سے بولا پھر مفید کی طرف چہرہ موڑا۔ "مفید! تم راجہ مراد کے وفادار ہو مگر اپنے دل سے پوچھو۔ راجہ تمہیں بھول چکا ہے۔ وہ وہاں عیش سے حکمرانی کر رہا ہے اور تم ادھر تنہا ہو۔ تمہارا دل اب راجہ سے محبت نہیں کرتا۔"

مفید لب بھینچے اسے دیکھے گیا۔

"جانتے ہو تمہارا دل کس سے محبت کرتا ہے؟" انگلی اٹھا کے اشارہ کیا۔ "اس جان دار سے جس کے ساتھ تمہیں جنگل میں چھوڑ دیا گیا ہے۔ جب ایسے کوئی کسی کو کسی کے ساتھ جنگل میں چھوڑ دے تو پیچھے ساری دنیا اجنبی ہو جاتی ہے۔ صرف وہ اندھیروں کا دوست رہ جاتا ہے۔ یہ تمہارا دوست، تمہارا ساتھی ہے۔ تمہیں اسی سے محبت ہے اور جن سے محبت کی جاتی ہے، ان کو اپنی خواہشات کی رسی سے قید نہیں کیا جاتا۔ انہیں آزاد چھوڑ دیا جاتا ہے۔ انہیں کھل کے جینے دیا جاتا ہے اور دنیا کے جنگلوں میں اپنی مرضی سے بھٹکنے دیا جاتا ہے۔ اگر وہ لوٹ کے آ جائیں تو ہم محبت میں سچے تھے۔ اگر نہ آئیں تو ہم صرف بد قسمت تھے۔ اب وقت آ گیا ہے کہ تم اس معصوم جانور کو آزاد کر دو۔"

مگر مفید نفی میں سر ہلاتا ان سب کے چہرے دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے بے حس تھک کے خون بہاتا ہاتھ پہلو میں گرا دیا۔

"تم لوگ جھوٹ بول رہے ہو۔"

"مراد راجہ وہاں عیش کر رہا ہے اور تم یہاں پاگل ہو رہے ہو۔ کب تک اس جانور کو اپنے ساتھ قید میں رکھو گے؟ کم از کم اس کو تو آزاد کر دو۔ اس سے کہو کہ واپس جنگل میں چلا جائے اور تم ہمارے ساتھ ملاکہ چلو۔ پھر اپنی آنکھوں سے دیکھو کہ مراد راجہ نے تمہیں کس کس طرح دھوکا دیا ہے... اور اگر تم نے یہ نہ کیا تو ہم سب تیر مار مار کے اس ڈریگن کی آنکھیں اور شریان پھوڑ دیں گے۔"

مفید نے ایک نظر اس ڈریگن کو دیکھا جو پنجوں کے بل کھڑا ان لوگوں پہ مسلسل غرا رہا تھا۔ پھر اس کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی۔ اس نے سیٹی سی بجائی۔ انجان زبان میں چند آوازیں نکالیں۔ ڈریگن نے اس کی طرف گردن موڑی۔ مفید نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔

سپاہیوں کے تیر کمان ابھی تک ہاتھوں میں تھے۔ خود تالیہ کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔ تیر تیار تھا۔ ادھر ڈریگن حملہ کرتا، ادھر وہ اس کے اندر تیر اتار دیتی۔

مگر ڈریگن نے چند لمحے کے لیے مفید کی بات سنی، پھر واپس مڑا اور درختوں کی طرف جانے لگا۔ ایڈم نے گہرا سانس لیا۔ تالیہ کی بھی تیر کمان پہ گرفت ڈھیلی ہوئی۔

"تم نے اچھا فیصلہ کیا، مفید! اب ہمیں راستہ دکھاؤ۔ خزانہ کہاں ہے اور تم یقین رکھو، واپس جا کے میں..."

’’راجہ سے کہنا، مجھے معاف کر دے‘ میں خزانے کی حفاظت نہیں کر سکا۔‘‘ مفید نے آنسوؤں بھری آنکھوں سے کہتے ہوئے اپنے ہاتھ میں لگا تیر ایک دم کھینچ نکالا اور پھر.... اگلے ہی لمحے.... اسے اپنے سینے میں پیوست کر لیا۔ زور سے اس کی چیخ نکلی اور وہ زمین پہ گر کے تڑپنے لگا۔

لمحے بھر کو وہ سب ششدر رہ گئے۔ پھر ایڈم بے اختیار اس کی طرف بھاگا۔

اور صرف ایڈم نہیں تھا جو اس کی طرف بھاگا تھا۔ جنگل کی طرف جاتا کموڈو ڈریگن بھی اپنے مالک کی چیخ سن کے تیزی سے واپس لپکا تھا۔

اگلے ہی لمحے سپاہیوں کے تیر فضا میں بلند ہوئے اور ڈریگن کے جسم میں پیوست ہو گئے۔ تالیہ کا تیر اس کی آنکھ میں لگا۔ ڈریگن گھائل ہو کے زمین پہ لوٹنے لگا۔ اس کے حلق سے چیخیں نکل رہی تھیں۔

’’اسے مت مارو....‘‘ ایڈم منت بھرے انداز میں چلایا۔ ’’خدارا اسے مت مارو۔‘‘

تالیہ نے چیخنے کی ڈوری گردن گلے سے کھینچی چند کندھوں سے ڈھلک کے زمین پہ جا گرا۔ پھر اس نے تیر کمان پرے پھینکا اور تلوار میان سے نکالی۔

درندہ الناز زمین پہ گرا تڑپ رہا تھا۔ تیر زہر میں بجھے تھے اور اثر دکھا رہے تھے۔ تالیہ تلوار لیے تیزی سے اس کے سر پہ آئی۔

’’پے تالیہ.... اس کو مت ماریں.... یہ ایک معصوم جانور ہے۔‘‘ ایڈم چلاتا ہوا اس کی طرف بڑھا مگر تالیہ نے زور سے تلوار اس کی گردن پہ دے ماری۔

ڈریگن کے سر میں بڑا سا کٹ پڑ گیا۔ اس کی تڑپ دم توڑ گئی۔ آنکھوں سے زندگی کی روشنی نکل گئی۔

ایڈم ساکت کھڑا رہ گیا۔

تالیہ اسی طرح آگے بڑھی اور زمین پہ گرے مفید کو گردن سے دبوچ کے اٹھایا۔ پھر اس کے سینے سے زور سے تیر باہر کھینچ نکالا۔ خون ابل ابل کرنے لگا۔

’’جنگل میں رہتے ہو اتنے سے زخم سے مر نہیں جاؤ گے۔‘‘ اس کا چہرہ اپنے سامنے کیے وہ غرائی۔ وہ مسلسل کراہ رہا تھا۔

’’ناٹک بند کرو۔ راجہ کے چوری کے مال کی حفاظت نے تمہیں یہ دن دکھایا ہے۔ اب سیدھی طرح مجھے خزانے کا راستہ دکھاؤ تاکہ تمہاری جان بخش دوں۔ ورنہ خدا کی قسم‘ تمہارے جسم میں اتنے گھاؤ لگاؤں گی کہ گھنٹوں تکلیف سے تڑپتے رہو گے۔‘‘ اس کی گردن کو جھٹکا دیا تو تکلیف سے بے حال شکار باز فوراً ایک طرف اشارہ کرنے لگا۔

’’ادھر.... غار میں.... ہے خزانہ۔‘‘ سپاہی فوراً مشعلیں اٹھائے اس طرف لپکے۔

تالیہ اس کی گردن دبوچے آگے بڑھنے لگی پھر رک کے مڑی اور ایڈم کو سنجیدگی سے دیکھا۔

’’سارے بھاؤ تاؤ جنگ سے پہلے ہوتے ہیں۔ لیکن جب ایک دفعہ لڑائی شروع ہو جائے تو دشمن پہ ترس کھانا کمزوری ہوتی ہے ایڈم اور یہ اصول ہر زمانے کے لیے ہے۔‘‘ اور اسے لیے آگے بڑھ گئی۔ ایڈم بس شل سا کھڑا رہ گیا تھا۔

سپاہی اب غار کی طرف بڑھ رہے تھے اور سرکتا کموڈو ڈریگن خون کے تالاب میں بے حس و حرکت پڑا تھا۔

☆☆☆

سلطنت محل کی مخروطی چھتوں پہ اس رات بارش برس رہی تھی۔ اپنی خواب گاہ سے ملحقہ بالکونی میں سلطان مرسل شاہ کھڑا تھا۔ کمر پہ ہاتھ باندھے‘ شاہی قبا میں ملبوس‘ وہ نیچے دور تک پھیلے تاریک سبزہ زار کو دیکھ رہا تھا۔ پانی چھت کے کناروں سے پھسلتا بالکونی کے ستونوں پہ لڑھک رہا تھا۔ موسم خاصا خوش گوار تھا۔

’’آقا!‘‘

ملکہ کی آمد کی منادی کے چند ثانیے بعد یان سوفو اس کے عقب میں آ کھڑی ہوئی تو مرسل چونکا۔ پھر اس کی طرف گھوما۔

’’ملکہ! طبیعت کیسی ہے آپ کی؟ مجھے خبر ملی تھی کہ آج قدرے بیمار تھیں آپ۔‘‘

’’میرے بابا کی جان آپ نے بچائی‘ ان کی نظر بد کا علاج ہو گیا‘ اس سے زیادہ اور کیا چاہیے مجھے آقا؟‘‘ اس نے مسکرا کے تعظیم پیش کی۔ پھر سیدھی ہوئی اور ان ہی مسکراتی آنکھوں سے سلطان کو دیکھا۔

’’آپ کو مجھ سے بات کرنی تھی؟‘‘

وہ دونوں بالکونی میں آمنے سامنے کھڑے تھے‘ اردگرد بارش برس رہی تھی مگر وہ محفوظ تھے۔

’’جی ہاں۔‘‘

’’حکم کیجیے آقا!‘‘ وہ اس کی آنکھوں پہ مسکراتی نظریں جمائے ہوئے تھی۔

’’اب تک آپ کو اطلاع تو مل گئی ہو گی کہ میں شادی کرنے جا رہا ہوں۔ تیاری شروع ہو چکی ہے اور انتظامات کیے جا رہے ہیں۔‘‘

یان سوفو کے چہرے پہ ایک دم ڈھیروں اداسی بکھر گئی۔ اس نے سر جھکا لیا۔ ’’جی آقا! سنا تو تھا میں نے مگر یقین نہیں آیا تھا۔‘‘

’’آپ خفا ہو رہی ہیں؟ یقیناً۔‘‘ مرسل شاہ پر سکون سا پوچھ رہا تھا۔

’’یہ تو شہزادیوں کی قسمت ہوتی ہے آقا۔‘‘ ملکہ نے تھکی تھکی سی پلکیں اٹھائیں۔ ’’میرے بابا کے حرم میں تین بیویاں اور کئی خواتین تھیں۔ میں نے اپنی والدہ کی تکلیف دیکھی ہے۔ یہ نہیں کہوں گی کہ مجھے فرق نہیں پڑتا۔ فرق تو پڑتا ہے۔ دل دکھتا ہے‘ لیکن....‘‘ وہ زخمی سا مسکرائی۔

’’اگر آقا کی خوشی اسی میں ہے تو میں اعتراض نہیں کروں گی۔ میں اس تقریب میں شامل بھی ہوں گی اور کھلے دل سے آپ کی نئی منکوحہ کو خوش آمدید کہوں گی۔‘‘

مرسل شاہ کا چہرہ کھل اٹھا۔ وہ پورے دل سے مسکرایا۔ ’’مجھے آپ سے یہی امید تھی ملکہ! جو ہوتا ہے وہ ہوتا ہی ہے۔ لیکن میں آپ کو اتنا یقین دلا سکتا ہوں کہ آپ ملاکہ سلطنت کی ملکہ ہیں اور رہیں گی۔‘‘

’’سارے سلاطین دوسری شادی سے پہلے یہی کہتے ہیں‘ آقا۔‘‘ وہ بجھے دل سے مسکرائی۔ پھر سر جھٹکا۔ ’’خیر.... کیا کسی خاتون کا انتخاب کیا ہے آپ نے یا یہ کام بھی مجھے کرنا ہو گا؟‘‘ (شاہی دستور کے مطابق بعض دفعہ ملکہ خود سلطان کی نئی منکوحہ یا خاتون چنتی تھی۔)

’’کیا آپ کو نہیں معلوم۔‘‘ سلطان حیران ہوا۔ ’’میں نے شہزادی تاشہ کا انتخاب کیا ہے۔ مگر آپ کو کیسے معلوم ہو گا۔ یہ نام میرے اور مراد راجہ کے درمیان ہی تھا اب تک۔‘‘

’’شہزادی تاشہ؟‘‘ ملکہ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

بالکونی کے باہر زور کی بجلی کڑکی۔ پل بھر کو سارا محل روشن ہو گیا۔ جگہ جگہ زمین پہ پانی کھڑا نظر آتا تھا۔ اگلے ہی پل اندھیرا چھا گیا۔

’’جی۔ مراد راجہ کی دختر۔‘‘

’’مگر....‘‘ ملکہ بے اختیار الجھن سے بولی۔ ’’شاہی دستور کے مطابق.... آپ کے نکاح میں آنے والی خاتون کا چند شرائط پہ اترنا ضروری ہے آقا!‘‘

’’تو شہزادی تاشہ کسی لحاظ سے کم نہیں ہیں۔ وہ ہمارے خاندان سے تعلق رکھتی ہیں‘ ان کی رگوں میں ہمارا ہی خون ہے۔ پھر وہ خوبصورت ہیں اور شاہی آداب جانتی ہیں۔‘‘ مرسل شاہ نے سینہ اکڑاتے ہوئے فخر سے کہا تھا۔

ملکہ چند لمحے سادگی سے اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔

’’تو پھر.... طلاق دلوائیں گے اسے یا اس کے شوہر کی گردن ماری جائے گی؟‘‘

بادلوں کے گرجنے کی زوردار آواز سنائی دی۔ ایسی وحشت‘ ایسی گرج کہ محل کے ہر ذی نفس کی روح تک کانپ گئی۔

مرسل شاہ بھونچکا کھڑا رہ گیا۔

''کیا کہہ رہی ہیں آپ ملکہ؟'' اس کی رنگت سرخ پڑنے لگی۔ ''دماغ درست ہے آپ کا؟''

''میرا دماغ تو درست ہے آقا لیکن آپ کی معلومات درست نہیں۔ شہزادی تاشہ نے خود مجھے اعتماد میں لیتے ہوئے بتایا تھا کہ جس سے جو آدمی اس کے ساتھ آیا ہے' وہ اس سے شادی کر چکی ہیں۔ کیا آپ کو مراد راجہ نے نہیں بتایا؟ حیرت ہے۔ وہ اپنی شادی شدہ بیٹی کو کنواری لڑکی کے طور پہ کیسے پیش کر سکتا ہے۔ چچ چچ یہ تو سنگین جرم ہے۔ گناہ کبیرہ ہے۔'' وہ خود حیران تھی۔

''آپ کو......'' مرسل کی آواز بلند اور آنکھیں سرخ ہوئیں۔ ''غلط فہمی ہوئی ہو گی۔ شہزادی تاشہ غیر شادی شدہ ہیں۔'' اس کا تنفس تیز ہو گیا تھا۔

''آپ خود شہزادی سے اللہ تعالیٰ کی پاک کتاب پہ ہاتھ رکھوا کے پوچھ لیں۔ اگر اس نے اس شادی سے انکار کیا تو میری گردن مار دیجیے گا مگر آقا... وہ لڑکی شادی شدہ ہے اور اس کے شوہر کو مراد راجہ نے اپنے محل میں پناہ دے رکھی ہے۔ آپ کو جس سے شادی کرنی ہے' کیجیے آقا' لیکن بزرگوں کے رسم و رواج کو ٹھوکر مارتے نہیں۔ یہ آپ کی خاندانی غیرت اور حمیت کا سوال ہے۔'' وہ اس کی آنکھوں سے نظریں ہٹائے بغیر کہہ رہی تھی۔ مرسل کے چہرے پہ ایک رنگ آ رہا تھا' ایک جا رہا تھا۔

''یہ جھوٹ ہے۔ میں نہیں مانتا۔'' وہ ایک دم ملکہ کے قریب سے گزرتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ ملکہ یان سو نے آرام سے اسے جاتے ہوئے دیکھا اور زیر لب بڑبڑائی۔ ''چچ چچ'' پھر افسوس سے سر جھٹکا۔

بالکونی کی مخروطی چھت کے کنارے سے چھینٹے جا رہے تھے۔ بارش میں تیزی آ گئی تھی۔

☆☆☆

جس غار کی حفاظت کموڈو ڈریگن کر رہا تھا' اس کا راستہ تنگ اور تاریک تھا' لیکن زخمی مفید کراہتا ہوا' تالیہ کی راہنمائی کرتا' انہیں اندر لے آیا۔

غار کے اندر پتھروں کا ڈھیر لگا تھا۔ سپاہیوں نے فوراً پتھر ہٹائے تو وہاں زمین میں ایک ڈھکن بنا تھا۔ ایک سپاہی نے ڈھکن اٹھایا' دوسرے نے اندر روشنی کی۔ وہاں سیڑھیاں نیچے جاتی تھیں۔ محض پندرہ بیس سیڑھیاں جن کو اتر کے ایک بڑا سا کمرہ آ جاتا تھا۔

اس نے مفید کی گردن چھوڑ دی۔ دو سپاہی اس کی پٹی وغیرہ کرنے اسے باہر لے گئے۔ دیگر سپاہی نیچے اترے اور کمرے کی دیواروں پہ لگی مشعلیں روشن کیں۔ پل بھر میں وہ کمرہ خوب روشن ہو گیا۔

تالیہ مراد کے کندھے پہ تیروں سے بھرا ترکش تھا اور ہاتھ میں پکڑی تلوار سے ڈریگن کا خون ٹپک رہا تھا۔ وہ مٹی کی سیڑھیاں قدم قدم نیچے اترنے لگی۔ لبوں پہ مسکراہٹ تھی۔ اداسی سے بھری مسکراہٹ۔

ایک زینہ.... دوسرا زینہ.... جیسے جیسے وہ اترتی گئی' کمرہ سامنے آنے لگا۔ اس میں قطار در قطار لکڑی کے صندوق رکھے تھے۔ سپاہیوں نے فوراً صندوقوں کے منہ کھول دیے تھے۔ اندر سونے کے موٹے موٹے سکے چمکتے دکھائی دے رہے تھے۔

اس نے ایک عرصہ یہ منظر دیکھنے کی خواہش کی تھی۔

کوئی رازوں سے بھرا کمرہ جس کا دروازہ وہ کھولے گی تو اندر سونے کے ڈھیر لگے ہوں گے۔

آج وہ چودہویں صدی کے قدیم ملاکہ کے اس جزیرے کے زینے اتر رہی تھی اور سامنے موجود کمرہ ڈھیروں خزانے سے بھرا۔ دکھائی دیتا تھا۔

بالآخر اسے خزانہ مل گیا تھا۔

ایڈم اس کے عقب میں زینے اتر رہا تھا۔ وہ خاموش تھا مگر سنبھل چکا تھا۔

تالیہ پہلے صندوق تک آئی اور اندر ہاتھ ڈالا۔ سکوں کی کھنک.... سونے کی چمک.... اس کے جذبات مچلنے لگے۔

وہ دوسرے صندوق تک آئی.... ہاتھ اس کے سکوں کے اوپر سے گزارا۔ سونے کا لمس.... وہ ٹھنڈک... وہ چمک جو آنکھوں کو خیرہ کر دیتی تھی۔

''تم لوگ اوپر جاؤ۔'' ایڈم نے سپاہیوں کو اشارہ کیا تو وہ سر تسلیم خم کرتے اوپر کی طرف چلے گئے۔

دیواروں پہ لگی مشعلوں کے شعلے جل رہے تھے اور زرد روشنی میں وہ دونوں اس دولت سے بھرے کمرے میں تنہا کھڑے نظر آ رہے تھے۔

''یا اللہ... اتنا سونا... اتنی دولت۔'' وہ ایک صندوق پہ جھکی۔ جس میں طرح طرح کے زیورات کا ڈھیر لگا تھا۔ اس نے ہاتھ سے چند زیور اٹھائے اور ان کو واپس اندر گرا دیا جیسے ان سے کھیل رہی ہو۔

''یہ آپ کے نہیں ہیں' بے تالیہ۔'' ایڈم کھنکھارتا ہوا آگے آیا اور صندوق کا ڈھکن بند کیا۔ وہ سنے بغیر اگلے صندوق تک آئی اور اس میں رکھی سونے کی ننھی اینٹ اٹھائی۔

''خالص سونا۔ اس کی چمک دیکھو۔ اس کو محسوس تو کرو ایڈم۔'' اس کے چہرے پہ بچوں جیسی خوشی تھی۔

''یہ ملاکہ کے غریب لوگوں کی امانت ہے' بے تالیہ۔'' ایڈم نے جلدی سے اینٹ اٹھا کے واپس اندر ڈالی اور دھڑام سے اس صندوق کا بھی ڈھکن گرایا۔ وہ بدقت ضبط کر رہا تھا۔

مگر وہ مست مگن سی ایک کے بعد ایک صندوق کی طرف جا رہی تھی۔ سونے میں ہاتھ ڈالتی اور کچھ نہ کچھ نکال لیتی۔ ایڈم بار بار اس کے پیچھے لپکتا اور ہر چیز اس سے واپس لے کر اندر ڈالتا۔

''یہ امانت ہے' بے تالیہ۔ ہم اس کو نہیں چھو سکتے۔''

''سوچو... اگر یہ ہمارا ہو جائے تو....''

''بے تالیہ!'' وہ ناراض ہوا تو اس نے گہری سانس لی اور روٹھے پن سے اسے دیکھا۔

''جانتی ہوں، جانتی ہوں۔ مگر تھوڑی دیر کے لیے خوش تو ہو لینے دو۔''

''آپ نے خوشی خوشی میں اس خزانے میں نقب لگانا شروع کر دینا ہے۔''

''بے فکر رہو۔ اب میں اپنی اصلاح کر چکی ہوں۔ اب میں چوری نہیں کرتی۔'' وہ مڑ کے جانے لگی۔

''جی' اسی لیے آپ نے ہر صندوق سے چند اشرفیاں اور اس والے سے تھوڑا سا زیور کھسکا کے اپنی جیب میں ڈالا ہے۔'' وہ اس کے سامنے آ کھڑا ہوا اور کڑے تیوروں سے اسے دیکھتے ہتھیلی پھیلائی۔ تالیہ نے خفگی سے پلکیں اٹھائیں اور اسے دیکھا۔

''اتنے...... سارے خزانے میں سے دو تین چیزیں نکال لینے سے کس کا نقصان ہو گا؟''

''ہمارے ایمان کا نقصان ہو گا۔ اور وہ سب سے بڑا نقصان ہوتا ہے۔ اب واپس کریں سب۔''

تالیہ نے (ہونہہ) کر کے سر جھٹکا اور جیبیں الٹ دیں۔ زیور' انگوٹھی' سکے نکال کے اس کی ہتھیلی پہ رکھے۔

''اور وہ جو آپ نے کان کے پیچھے بال اڑستے ہوئے سکہ اپنے جوڑے میں چھپایا تھا' وہ بھی دیں۔''

تالیہ نے اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھتے ہوئے بالوں میں ہاتھ ڈالا اور سکہ اس کی ہتھیلی پہ پٹخا۔ ایڈم کے لبوں پہ فاتحانہ مسکراہٹ بکھر گئی۔

''میدان جنگ میں نہ دشمن پہ ترس کھاتے ہیں نہ دوست کی طرف سے آنکھیں بند کرتے ہیں۔'' سمجھداری سے اسے بتایا۔

تالیہ اسے نظر انداز کر کے آگے بڑھ گئی۔

کمرے کے کونے میں ایک ڈیوڑھی سی بنی تھی جس میں مختلف خانے تھے۔ ان میں عجیب و غریب چیزیں رکھی تھیں۔ کڑے' انگوٹھیاں۔ تالے۔ ایک سونے کی گڑیا۔ اور سب سے اوپر ایک بوتل تھی۔ وہ اس بوتل کو پہچانتی تھی۔

اس نے بوتل اٹھائی اور اسے اوپر کر کے غور سے دیکھا۔

کانچ کی بنی بوتل خالی تھی۔ صرف پیندے میں چند قطرے جتنا باقی ماندہ مائع موجود تھا۔

''ایسی ہی بوتل میں ایک مشروب کے اندر

چابی رکھی ہوتی تھی۔" وہ بڑبڑائی۔

"مگر اب یہ خالی ہے۔"

"خالی ہے نہیں۔ اس کو خالی کیا گیا ہے۔" اس نے سنجیدگی سے کہتے بوتل واپس رکھی۔ "بابا کے ملازم یقیناً چابی کو کہیں اور لے گئے ہیں۔ شاید واپس بابا کے پاس۔" وہ اس کی طرف گھومی تو قدرے فکر مند لگتی تھی۔

"اب ہم چابی کیسے ڈھونڈیں گے؟"

تالیہ نے ایک نظر اطراف میں دوڑائی۔ "ابھی چابی کی فکر نہیں کرنی۔ وان فاتح کا کہنا تھا کہ ہمیں پلان کے مطابق چلنا ہے۔ اس لیے بہتر ہے کہ ہم پلان کے مطابق چلیں۔"

"ٹھیک ہے۔" ایڈم نے گہری سانس لی اور ایک عزم سے بولا۔ "میں ان صندوقوں کو باہر نکلواتا ہوں۔ پھر میں واپس چلا جاؤں گا اور......"

"نہیں ایڈم!" وہ بولی تو آنکھیں ایڈم کی آنکھوں پہ جمی تھیں۔ "یہ خزانہ تم نے ڈھونڈا ہے۔ یہ جزیرہ تم نے ڈھونڈا ہے۔ تمہارے الفاظ نے ڈریگن کے مالک کو مجبور کیا کہ وہ پسپائی اختیار کرے۔ اس خزانے کا راز تمہارا ہے۔ اس راز کو افشا کرنا بھی تمہارا حق ہے۔"

"مگر......" ایڈم لمحے بھر کو گنگ ہوگیا۔ "پلان کے مطابق مجھے واپس جانا تھا اور آپ کو بعد میں یہ خزانہ لے کر واپس ملاکہ آنا تھا۔ آپ شہزادی ہیں اور میں تو بس...... (نگاہیں جھک گئیں)...... ایک ادنیٰ غلام ہوں۔"

"اور ساتھ میں ایک بھگوڑے فوجی بھی ہو۔ مگر خیر......" شہزادی نے بڑی نخوت سے گال پہ آئی لٹ پیچھے کی۔ "تم بھی کیا یاد کرو گے۔ کیا اعزاز بخشے جا رہی ہوں تمہیں۔"

"کیا واقعی؟" اس نے حیران سی نظریں اٹھائیں۔ "آپ مجھے اس خزانے کا امین بنا رہی ہیں؟"

"میں جانتی ہوں۔ پلان کے مطابق مجھے یہیں رہ کے اگلے مرحلے کا انتظار کرنا تھا مگر میں نے واپس جانے کا فیصلہ کیا ہے۔ مجھے ملاکہ کی طرف سے خطرہ ہے۔ وہ فاتح کو مشکل میں نہ ڈال دیں۔"

"مگر وان فاتح کو تو بھی کسی کی ضرورت نہیں رہی۔"

"یہ ان کا خیال ہے اور ضروری نہیں کہ ان کا ہر خیال درست ہو۔" پھر تالیہ نے گردن گھمائی اور خزانے سے بھرے کمرے کو دیکھا۔

"تمہاری ماں نے کہا تھا کہ ایک دن آئے گا جب ایڈم بن محمد کو اللہ تعالیٰ زمین میں مدفن خزانوں کے راز سمجھا دے گا اور اس دن ایڈم دنیا کے بڑے بڑے حکمرانوں اور بادشاہوں سے بھی زیادہ طاقت ور ہوگا اور میں نے کہا تھا۔ آمین۔ شاید یہ وہی دن ہے ایڈم! تم اس خزانے کے مالک ہو۔ اب یہ تمہارا امتحان ہے کہ تم حق کے لیے کھڑے ہوتے ہو یا نہیں۔ رہی میں تو میرا خزانہ سن باؤ کے گھر چھپا ہے اور میرا مراد مقصود صرف وہ چابی ہے۔ اس لیے مجھے جانا ہوگا۔"

تالیہ مراد کی آواز میں تحکم کی ہلکی سی رمق موجود تھی۔ ایڈم بن محمد نے سر کو تسلیم خم کر دیا۔

شہزادی حکم سنا کے اب سیڑھیاں چڑھ رہی تھی۔ اس کے کندھے کی پشت پہ بندھے ترکش میں اب بھی کافی تیر باقی تھے۔ پچ تالیہ کے منصوبوں کی طرح۔

وہ خزانے سے بھرے کمرے میں تنہا کھڑا سوچ رہا تھا۔

"اگر یہ وہ دن ہے...... جب مجھے زمین کے خزانوں کا راز معلوم ہو جانا تھا...... تو مجھے دنیا کے سارے بادشاہوں سے زیادہ طاقت ور ہونا تھا۔ پھر اتنا طاقت ور کیوں نہیں محسوس کر رہا میں خود کو؟"

وہ سوچ رہا تھا۔ حیران۔ پریشان۔

سپاہی اب نیچے اتر رہے تھے۔ کچھ کو تالیہ کے ساتھ واپس جانا تھا۔ کچھ کو ایڈم کے ساتھ یہیں رہ کے اگلے مرحلے کا انتظار کرنا تھا۔

☆☆☆

مدھم موم بتیاں مراد راجہ کی خواب گاہ کو نیم روشن کیے ہوئے تھیں۔ وہ کمرے کے ایک کونے میں بیٹھا تھا۔ چوکڑی مار رکھی تھی۔ اور ارد گرد تیرہ موم بتیاں قطار میں جلا رکھی تھیں۔ سامنے ایک بھری ہوئی بوتل رکھی تھی جس کے پیندے میں سنہری سکہ اور زنجیر تیر رہی تھی۔ وہ آنکھیں بند کیے دونوں ہاتھ بوتل سے چند انچ اوپر پھیلائے زیرِ لب کچھ پڑھ رہا تھا جب دروازے پہ دستک ہوئی۔

مراد نے توجہ نہ دی۔ وہ اسی طرح آنکھیں موندے منتر پڑھنے میں مصروف رہا۔

دفعتاً دوبارہ دستک ہوئی۔ اس نے آنکھیں کھولیں۔ وہ سرخ پڑ رہی تھیں۔

دستک تواتر سے ہونے لگی۔

مراد نے برہمی سے دروازے کو دیکھا۔ پھر پھونک مار کے ساری موم بتیاں بجھا دیں۔ کمرے میں اندھیرا چھا گیا۔ وہ اندھیرے میں اٹھا۔ کھڑکی تک گیا۔ پیالے سے پانی لے کر چہرے پہ ڈالا۔ پھر دیا سلائی سلگائی اور قندیل روشن کی۔

اندھیرا چھٹا اور اب کی دفعہ کمرہ عام روشنی سے روشن ہوا۔ وہ موم بتیوں کی نحوست بھری روشنی عنقا ہو چکی تھی۔

اس کے گیلے چہرے کے تاثرات نارمل ہو چکے تھے اور آنکھوں کی سرخی کم تھی۔ سادہ سفید کرتے پاجامے میں ملبوس مراد نے سرخ پٹی ماتھے پہ باندھی اور دروازے کی طرف بڑھا جو مسلسل بج رہا تھا۔

"کون سا عذاب آ گیا تھا جو مجھے اس وقت تنگ کیا ہے؟" پٹ کھولتے ہی وہ دھاڑا۔ "کیا جانتے نہیں ہو، یہ بنداہارا کی عبادت کا وقت ہوتا ہے۔"

"راجہ!" سپاہی نے دونوں ہاتھ باندھے عرض کی۔ "سلطان کا پیغام آیا ہے۔ آپ کو فوری طور پہ بلا بھیجا ہے۔"

"اس وقت؟" مراد کے ماتھے پہ بل پڑے۔

"سلطان نے ...... کہا ہے کہ......" سپاہی نے تھوک نگلا۔ "اگر مراد اپنے پیروں پہ چل کے نہ آئے تو بیڑیوں میں لے آؤ۔"

ملاکہ سلطنت کے عظیم بنداہارا مراد راجہ کے ماتھے کی ساری شکنیں غائب ہو گئیں۔

"ہوا کیا ہے؟" اسے پریشانی ہوئی۔

"معلوم نہیں راجہ۔ مگر آقا سخت برہم لگ رہے ہیں۔"

"چلو۔" وہ فوراً مڑا اپنی قبا اٹھا کے کندھوں پہ ڈالی، پیروں میں جوتی گھسیٹی، تلوار اٹھانے لگا، پھر واپس رکھ دی۔ اس کے کسی انداز سے جارحیت کی بو نہیں آنی چاہیے۔

باہر نکلنے سے قبل وہ بوتل کو خاص جگہ پہ چھپانا نہیں بھولا تھا۔

☆☆☆

تین چاند والے جزیرے کی وہ چھوٹی پہاڑی چاندنی میں دمک رہی تھی۔ اس کی چوٹی پہ بڑا سا شیشہ تراش کے لگایا گیا تھا یا شاید وہ نمک تھا جو اتنا شفاف تھا کہ چاند کا عکس اس میں جھلملا رہا تھا۔

دوسرا چاند سمندر پہ تیر رہا تھا اور تیسرا چاند آسمان پہ بادلوں کے اوپر ٹیک لگائے نیم دراز نیچے جزیرے کے ساحل کو دیکھ رہا تھا۔

دور افق پہ مدھم سی روشنی دکھائی دیتی تھی۔ سیاہ آسمان جامنی ہو رہا تھا اور ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ صبح ہونے میں کم وقت رہ گیا تھا۔ ایسے میں ساحل پہ کھڑی کشتی کو سپاہی سفر کے لیے تیار کر رہے تھے۔ چند سپاہی پہاڑی کے دامن میں غار کی طرف آتے جاتے دکھائی دیتے تھے۔

تالیہ اور ایڈم کشتی کے ساتھ کھڑے تھے۔ آمنے سامنے۔ تالیہ نے اپنا چغہ پہن رکھا تھا، تیز ہوا سے اس کے بال بار بار چہرے پہ آتے جن کو وہ کانوں کے پیچھے اڑستی۔ ایڈم اداس مسکراہٹ سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"احتیاط سے جائیے گا۔ سمندری سفر خطرے

سے خالی نہیں ہوتا۔"
"ہمیشہ مایوسی کی باتیں کرتے ہو ایڈم۔" وہ بے فکری سے مسکرائی۔ "ہم پلان پہ چل رہے ہیں تو ڈر کیسا؟ بس کل تک میں واپس ملاکہ پہنچ جاؤں گی۔ تم تب آنا جب دوسرا مرحلہ پورا ہو جائے۔" اس نے ذو معنی انداز میں یاد دلایا۔

ایڈم نے سر اثبات میں ہلایا۔ پھر آنکھوں کی پتلیاں سکیڑ کے غور سے اسے دیکھا۔

"کیا واقعی آپ یہاں سے کچھ چرا کے نہیں لے جا رہیں؟ آپ چوری سے جا سکتی ہیں۔ ہیرا پھیری سے نہیں۔"

"ارے وہ سب تو میں نے مذاق میں اٹھایا تھا۔" وہ کھلکھلائی۔ "ابھی اتنی ٹرکس نہیں سکھائیں تمہیں کہ میرے ہاتھ کی صفائی پکڑ سکو۔"

"میری نظر بہت اچھی ہے تالیہ! یاد کریں، مسز عصرہ کی گیلری میں پہچان گیا تھا کہ آپ تنکو کامل کی ملازمہ ہیں۔"

اور وہ دونوں ہنس پڑے۔ پھر تالیہ نے گردن گھمائی۔ وہ دونوں ساحل پہ کھڑے تھے اور سامنے چاندنی سے چمکتے پانی کا سمندر بہہ رہا تھا۔ خاموش، ساکن سمندر۔ پندرہویں صدی کا سمندر۔

"وقت کے اس پار کیا ہو رہا ہوگا ایڈم؟" نیلے پانی کو دیکھتے ہوئے اس کی آواز میں اداسی گھل گئی۔

"میں تو صرف یہ سوچ رہا ہوں کہ پانی کے اس پار کیا ہو رہا ہوگا۔ اگر وان فاتح کا راز کھل گیا اور راجہ نے ان کو گرفتار کر لیا یا ان کی جان لینے کی کوشش کی تو کیا ہوگا؟"

"نہیں۔ بابا ان کو یوں ایک دم مار نہیں دیں گے۔"

"یہی تو میں سوچ رہا ہوں کہ اگر راجہ نے ان کو مارا نہیں بلکہ چناؤ کا اختیار دے دیا تو وہ کس کو چنیں گے۔"

تالیہ چونکی۔ سمندر کی لہریں پل بھر کو تھم گئیں۔ سارا جزیرہ دم سادھے سننے لگا۔

"کیا مطلب؟"

"یاد رکھیے گا۔ اگر ان کو چناؤ کا موقع ملا تو وہ آپ کو یا مجھے کبھی نہیں چنیں گے۔"

تالیہ کی رنگت گلابی پڑنے لگی۔ ماتھے پہ بل در آئے۔ "تم میں اور مجھ میں فرق ہے ایڈم۔"

"صرف اتنا کہ آپ سے انہوں نے نکاح کیا ہے، مگر یاد رکھیے گا۔ وہ ہمیشہ ہمارے ہیرو رہیں گے اور ہم ان کے فینز۔ ادنیٰ کارکن۔ بس!"

"تمہیں کیوں لگتا ہے بابا ان کو چناؤ کا اختیار دیں گے اور کس قسم کے چناؤ کی بات کر رہے ہو تم؟" وہ الجھی ہوئی تھی۔ اسے یہ باتیں ناگوار گزر رہی تھیں۔

"یہ مجھے نہیں معلوم۔ مگر اتنے مہینے ایک محل میں رہا ہوں میں ہے تالیہ۔ اتنا تو بتا سکتا ہوں کہ یہ حکمران بڑے فیصلوں میں ہم ادنیٰ کارکنوں کو شریک نہیں کرتے۔ اس لیے...... اگر آپ کو چناؤ کا موقع ملے تو میرے جزیرے سے آنے کا انتظار مت کیجیے گا۔ خود اس دروازے کو پار کر لیجیے گا۔"

"نہیں ایڈم!" وہ بولی تو آنکھوں میں قدرے غصہ تھا۔ "ہم ایک ساتھ آئے تھے اور ایک ساتھ ہی جائیں گے۔ اگر ہم میں سے کوئی مر گیا تو اس کی لاش ساتھ جائے گی۔ تم فی الحال اس خزانے کو سنبھالو۔ میں ملاکہ میں تمہاری منتظر رہوں گی۔"

اس کا انداز قطعی اور حتمی تھا۔ ایڈم نے پھر سے سر کو خم دیا۔

"الوداع شہزادی!"

تالیہ نے چغے کی ٹوپی سر پہ برابر کی اور کشتی کی طرف بڑھ گئی۔ اس پہ بیٹھتے ہی اس نے پیچھے مڑ کے دیکھا۔

ساحل کنارے چغہ پوش آدم بن محمد کھڑا اسے جاتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ چند سپاہی اس کے آس پاس کام کرتے دکھائی دے رہے تھے۔ ملاح سپاہی نے بادبان کھول دیا اور کشتی کو پانی میں دھکیل دیا۔ پھر چپو چلانے لگا۔

وہ عرشے پہ ایک لکڑی کی چوکی پہ بیٹھ گئی اور رخ پانی کی طرف موڑ دیا۔ کن انکھیوں سے وہ ساحل کنارے کھڑے ایڈم کو دیکھ سکتی تھی۔

جب کشتی سمندر میں دور نکل آئی اور آسمان سے فجر طلوع ہونے لگی تو تالیہ نے چغے کے اندر ہاتھ ڈال کے نکالا تو اس میں ایک چمکتی ہوئی شے تھی۔

یہ وہ چیز تھی جو اس نے غار میں رکھی عجیب و غریب چیزوں میں سے اٹھائی تھی۔ یہ سونے کی ہیئر پن تھی جس کو جوڑے میں لگایا جاتا تھا۔ اس کے دہانے پہ ہرن کا چہرہ بنا تھا' آنکھوں میں ہیرے لگے تھے۔ اور پیچھے جا کے وہ لمبی نوکیلی ہو جاتی تھی۔ تالیہ نے اسے اٹھا کے روشنی میں دیکھا اور مسکرائی۔

"ایڈم بن محمد...... یہ ملاکہ کے لوگوں کی نہیں میرے بابا کی شے ہے۔ جانے یہ کس لیے استعمال ہوئی ہے مگر نئے دور میں جا کے یہ اچھی خاصی قیمت پہ بک جائے گی۔ اس میں قیمتی ہیرے اور خالص سونا استعمال کیا گیا ہے۔ اس کو میں اپنے ساتھ لے جاؤں گی۔" وہ خوش اور مطمئن نظر آ رہی تھی۔ اس کی کشتی سمندر پہ تیرتی جزیرے سے دور ہوتی جا رہی تھی۔

☆☆☆

مراد راجہ جب سلطنت محل پہنچا تو صبح ہونے میں کافی وقت تھا۔ سپاہی اسے فوراً اندر لے گئے۔

مراد نے چہرہ بے تاثر رکھا مگر حقیقتاً وہ پریشان تھا۔

اسے ایک ملاقاتی کمرے میں بٹھا کے سپاہی چلے گئے۔ وہ کافی دیر انتظار کرتا رہا۔ بے چینی سے ٹہلتا رہا۔ ایک دو بار دربانوں کو آواز دی تو انہوں نے بتایا کہ آقا غسل فرما رہے ہیں۔ مراد ضبط کے گھونٹ پی کے رہ گیا۔

اسے مرسل نے پہلی دفعہ اتنا انتظار کروایا تھا۔

صبح کی پہلی کرن باہر آسمان پہ دکھائی دی تو مرسل شاہ کمرے میں داخل ہوا۔ وہ کہیں سے بھی حالت نیند میں نہیں لگتا تھا نہ بال گیلے تھے۔ شاید وہ اتنی دیر کچھ سوچنے میں مصروف رہا تھا۔ پیشانی سلوٹ زدہ تھی۔ مراد نے غور سے اسے اندر آتے اور مسہری پہ براجمان ہوتے دیکھا۔ ایک ہاتھ گھٹنے پہ جمائے' وہ سیدھا بیٹھا قدرے خفگی سے مراد کو دیکھ کے بولا۔

"آ گئے تم؟" ساتھ ہی اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

مراد آہستہ سے سامنے بیٹھا۔

"کافی دیر ہو چکی آقا۔ خیریت تھی؟ کہیں بغاوت کا اندیشہ تو نہیں ہوا؟ یا دشمن کا حملہ؟" وہ بظاہر فکرمندی سے بولا مگر آواز میں معمولی سا گلہ بھی تھا۔

"مراد راجہ!" مرسل نے بھنویں اکٹھی کر کے سنجیدگی سے اسے دیکھا۔ "دشمن کے حملے سے زیادہ تکلیف دہ بات میرے لیے یہ ہوگی کہ میرا بندا ہی مجھ سے جھوٹ بولے۔"

مراد کی گردن میں گلٹی سی ابھر کے معدوم ہوئی۔ تاثرات میں حیرانی گھل گئی۔

"میری جان لے لیجیے آقا' مگر مجھے بتایئے تو سہی کہ ہوا کیا ہے۔" پھر اسے خیال گزرا۔ "کیا چین سے قرض لینے کے فیصلے پہ میری رائے......"

"تم نے اپنی بیٹی کو کنواری کیوں کہا جب کہ مجھے اطلاع ملی ہے کہ وہ شادی شدہ ہے۔" وہ اکھڑے اکھڑے مگر مضطرب لہجے میں بولا تو مراد نے تعجب سے دونوں ابرو اچکائے۔

"میری بیٹی... شادی شدہ؟" پھر وہ ہلکا سا ہنس دیا۔ "ایسا مذاق کس نے کیا آپ سے آقا؟" وہ حیران تھا مگر جیسے محظوظ بھی ہوا تھا۔

مرسل کے تاثرات قدرے بدلے۔ چہرے کے تناؤ میں کمی آئی۔ وہ ذرا آگے کو ہوا۔

"تو یہ بات غلط ہے کہ ملک چین میں تمہاری بیٹی کی پہلے شادی ہو چکی ہے اور اس بات کو چھپا کے تم مجھ سے جھوٹ بول رہے تھے۔" وہ بے چین لگتا تھا۔

کھڑکی کے پار جامنی آسمان سفید پڑ رہا تھا۔ روشنی اندر آئی تو کمرہ منور ہونے لگا اور قندیلوں کی روشنی ماند پڑنے لگی۔

"میں سمجھ گیا آقا۔" مراد نے گہری سانس لے

کر سر ہلایا۔ ”آپ کو ایسی بات کسی چھن سے تعلق رکھنے والے نے کہی ہو گی۔ ظاہر ہے اس شادی پہ سب سے زیادہ تکلیف چینیوں کو ہی ہو گی۔ کیا آپ نے سمجھ لیا تھا کہ یہ شادی آپ آرام سے کر لیں گے اور گستاخی معاف‘ ملکہ کوئی ردعمل نہیں دیں گی؟ آپ تو برے سے برے حالات کے لیے بھی تیار تھے آقا! پھر اب ان فضول باتوں پہ کیوں دھیان دے رہے ہیں۔“ کمرہ مزید منور ہوا تو مرسل کے چہرے پہ آئے شک کے بادل بھی چھٹنے لگے۔

”یعنی...... شہزادی تاشہ کی کوئی شادی نہیں ہوئی اور وہ......وہ میرے نکاح میں آسکتی ہیں۔“

مرسل کے چہرے پہ خوشی اور اندیشے ایک ساتھ موجود تھے۔ مراد رسان سے مسکرایا اور آگے کو جھکا۔

”آقا! یہ صرف ایک سازش ہے‘ مجھے آپ سے دور کرنے اور اس شادی کو رکوانے کے لیے۔ میری بچی غیر شادی شدہ ہے اور وہ آپ کی ہی ملکہ بنے گی۔ آپ اس کو بلوا کے بھی پوچھ سکتے ہیں۔ میں خود قرآن پہ ہاتھ رکھ کے حلف لینے کو تیار ہوں۔ آپ ان واہموں سے نکل آئیں۔“

”اوہ۔“ مرسل شاہ نے گہری سانس لی۔ کھڑکی سے آتی روشنی نے کمرے کے سارے اندھیرے دور کر دیے تھے۔ فضا جیسے صاف ہو گئی تھی۔

”تو یہ صرف ایک سازش تھی؟ میں خواہ مخواہ اتنا پریشان رہا۔“ اس نے بے اختیار پیشانی مسلی جیسے بہت سے تناؤ کو خارج کیا۔

”یہ تو ابھی شروعات ہیں‘ آقا! آگے بہت کچھ ہو گا۔ آپ کو خود کو مضبوط بنانا ہو گا۔ ہمیں مل کے ان سب سازشوں کا مقابلہ کرنا ہے۔“ پھر مراد نے کھڑکی سے باہر نگاہ دوڑائی۔ ”مجھے فوج کی مشقوں کی نگرانی کے لیے جانا ہے۔ اگر آپ کی اجازت ہو تو......“

”ہاں ہاں۔ تم جاؤ۔“ مرسل نے ہاتھ جھلایا۔ وہ مطمئن اور پرسکون نظر آنے لگا تھا۔ مراد ادب سے سر کو خم دے کے اٹھا اور الٹے قدموں دروازے کی طرف بڑھا۔ کمرہ اتنا روشن ہو چکا تھا کہ دروازے کے ساتھ جلتی قندیل کا شعلہ بے معنی سا لگتا تھا۔ اس نے لوہے کا ڈھکن اٹھایا تاکہ قندیل کے اوپر رکھ کے شعلہ بجھا دے۔

”اصل میں ملکہ نے بھی عجیب غلط سلط باتیں میرے ذہن میں ڈال دیں۔“ مرسل شاہ پیچھے بڑبڑا رہا تھا۔ ”وہ بولیں کہ تاشہ کی شادی اس مرد سے ہو گئی تھی جو اس کے ساتھ چھن سے یہاں آیا ہے اور تو اور‘ مراد راجہ نے اس کو اپنے محل میں پناہ دے رکھی ہے۔“

مراد نے زوردار آواز سے لوہے کا ڈھکن شعلے کے اوپر رکھا۔

ہوا کا رستہ رک گیا۔

شعلہ بجھ گیا۔

مگر اس کا ہاتھ ڈھکن پہ ساکت ہو گیا۔

مرسل کی طرف اس کی پشت تھی اس لیے مرسل اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکتا تھا جو ایک دم زلزلوں کی زد میں آ گیا تھا۔

سیاہ پڑتا ساکت چہرہ۔

اس نے ڈھکن سے ہاتھ ہٹایا تو وہ بہت وزنی محسوس ہوتا تھا۔ بدقت مراد راجہ نے قدم آگے بڑھائے اور باہر نکل گیا۔

راہداری میں تیز تیز قدم اٹھاتا بنداہارا اس چہرے کے ساتھ نہیں جا رہا تھا جس کے ساتھ وہ آیا تھا۔

☆☆☆

تین چاند والے جزیرے پہ بھی صبح طلوع ہو چکی تھی۔ سمندر کا پانی لہروں کی صورت بار بار ساحل سے ٹکراتا اور واپس پلٹ جاتا۔

پہاڑی کے دامن میں درختوں تلے صندوق قطار در قطار رکھے تھے اور ان کے اوپر لکڑیوں کے چھپر بنائے گئے تھے تاکہ وہ بارش سے محفوظ رہیں۔ سپاہی اب ایک طرف آگ جلا کے ناشتے کا انتظام کرنے میں مصروف تھے۔ جنگل کے اندر کوئی نہیں گیا تھا کیونکہ یقیناً وہاں بہت سے خونی کموڈو ڈریگن موجود تھے جو ہر سیاح کو کھا جاتے تھے اور لوگ اس

جزیرے سے واپس نہیں لوٹتے تھے۔

پھر ایک سپاہی نے جنگل میں جانے کی ہمت کی اور تھوڑی دیر بعد چند پرندے شکار کر کے لے آیا۔ ویسے تو ان کے پاس کھانے کا وافر سامان موجود تھا مگر پرندے مل جانا بھی غنیمت تھا۔ اب دو افراد ان پرندوں کو آگ پہ بھونتے دکھائی دے رہے تھے۔

ایڈم ساحل کے پتھروں کے پاس بیٹھا تھا۔ وہ کاغذ گھٹنوں پہ رکھے سیاہی میں قلم ڈبو ڈبو کے الفاظ صفحے پہ اتار رہا تھا۔

”مورخ صاحب!“ پیچھے سے ایک سپاہی نے اسے مخاطب کیا تو اس نے گردن موڑی۔

”ہاں کیا ہوا۔“

”میں سوچ رہا ہوں‘ لکڑیاں کاٹ کے کشتی بنانے کا انتظام کروں۔ شہزادی تاشہ کے چلے جانے کی وجہ سے ہمارے پاس کوئی کشتی نہیں ہے۔ بالفرض ’دوسرا مرحلہ‘ ناکام ہو جاتا ہے تو ہم کیا کریں گے؟“ وہ فکرمند لگتا تھا۔

ایڈم ہلکا سا مسکرایا۔ ”ہاں تم اپنا انتظام پورا رکھو مگر مجھے یقین ہے کہ ہم دوسرے مرحلے تک ضرور پہنچ جائیں گے۔ جو لوگ سچ کا ساتھ دینا چاہتے ہیں‘ ان کے لیے راستے اللہ تعالیٰ خود کھولتا ہے۔“

سپاہی نے گردن موڑ کے درختوں کے چھپر تلے رکھے صندوقوں کو دیکھا اور پھر اس مورخ کو جو واپس کاغذوں کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ (سچ کیسا؟ ہم تو شہزادی کی غلامی اور احسانات کی وجہ سے ان سے وفا کر رہے ہیں۔ مگر خیر بڑے لوگوں کی بڑی باتیں۔)

پھر ایڈم کے قلم کاغذ کو دیکھا تو بولا۔ ”آپ لکھنے کا سامان ساتھ لائے تھے؟“ اسے حیرت ہوئی۔

”سراقہ کے کنگن والا واقعہ سنا ہے تم نے سادونگ؟“ وہ لکھتے ہوئے مسکرا کے بولا تو سپاہی سوچ میں پڑ گیا۔

”وہ صحابی جن کو عمر بن خطابؓ نے فتح ایران کے بعد کسریٰ کے کنگن بھجوائے تھے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے ہاتھوں میں کسریٰ کے کنگن دیکھے تھے؟“

”ہاں۔ جانتے ہو جب وہ صحابی نہیں تھے تو کیا تھے؟“ ایڈم لکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ لہروں کا شور اور نم ہوا‘ کچھ بھی اسے کام سے غافل نہیں کر پا رہا تھا۔ ”وہ ہجرت مدینہ کے موقع پہ رسول اللہ ﷺ اور ابوبکرؓ کا پیچھا کرتے ان سے جا ملے تھے۔ وہ ان کو گرفتار کروانا چاہتے تھے مگر رسول اللہ ﷺ کی دعا سے ان کا گھوڑا چلنے سے انکاری ہو گیا۔ اس کی ٹانگیں زمین میں دھنس گئیں۔ اس وقت انہوں نے آپ ﷺ سے امن کا پروانہ لکھ دینے کی درخواست کی تھی۔ اور رسول اللہ ﷺ کے حکم پہ ان کو وہ پروانہ لکھ کے دے دیا گیا تھا۔ جانتے ہو مجھے اس واقعے میں سب سے زیادہ کیا چیز حیران کرتی ہے؟“ شاہی مورخ قلم ہاتھ میں لیے کہہ رہا تھا۔

”یہی کہ ہجرت کے وقت‘ بے سروسامانی کے عالم میں بھی لکھنے کا سامان ساتھ رکھا گیا تھا۔ جب مدینہ کی طرف جانے والوں کو اپنی جان بچانی تھی اور تعاقب کرنے والے کو سو اونٹوں کے لالچ نے بے تاب کر رکھا تھا‘ تب بھی کسی کے پاس لکھنے کا سامان موجود تھا۔ یہ لکھنا بھی عجیب چیز ہے۔ یہ کام انسان کو شروع سے نہیں آتا تھا۔ بہت سے کام انسان نے خود سیکھے۔ غاروں سے عمارتوں تک وہ خود پہنچا مگر لکھنا بالواسطہ اسے اللہ تعالیٰ نے سکھایا۔ کہتے ہیں کہ حضرت ادریس علیہ السلام کو وحی کے ذریعے لکھنا سکھایا گیا تھا۔ اس سے پہلے انسان لکھا نہیں کرتے تھے۔“

سادونگ نے گہری سانس لے کر اس مورخ کو دیکھا جو اپنے کاغذات کو دیکھتے ہوئے محبت سے کہہ رہا تھا۔

”تم نے پوچھا کہ میں نے لکھنے کا سامان کیوں ساتھ رکھا ہے؟ تو یہ میرا جواب۔ یہ چھوٹی چھوٹی باتیں ہم مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ سے سیکھی ہیں۔ لوگ چاہتے ہیں کہ وہ بڑے بڑے کام کریں۔ میں شاید بڑے بڑے کام نہیں کر سکتا۔ مجھ میں نہ اتنا ہنر ہے نہ اتنی ذہانت۔ نہ میرے پاس اتنے ذرائع

ہیں۔ میں اکثر مایوس ہوتا تھا کہ میں اس اعلا مقام تک کبھی نہیں پہنچ سکتا جس کی مثالیں دی جاتی ہیں۔

وان فاتح مجھے بڑی بڑی مثالیں دیا کرتے تھے۔ مگر مجھے ملاکہ نے یہ سکھایا ہے کہ انسان کو بڑے کام کرنے کے لیے پہلے چھوٹے چھوٹے کام کرنے پڑتے ہیں اور میں نے اس چھوٹے کام سے شروع کیا۔" اس نے اپنا قلم اٹھا کے دکھایا۔

ساؤ دنگ خاموشی سے اسے دیکھے گیا۔ اس کی باتیں سننا اس کی مجبوری تھی۔

"قلم سے...... قلم نے اس واقعے میں کسی کی زندگی بچائی تھی۔ برسوں بعد بھی سراقہ بن مالک نے اس پروانے کو دکھا کے امن حاصل کیا تھا۔ تحریر میں جان بچانے کی طاقت ہوتی ہے ساؤ دنگ۔ جن لوگوں کو لکھنا آتا ہے ان کا نہ لکھنا گناہ ہوتا ہے اور مجھے لکھنا آتا ہے۔ جو سکون مجھے لکھنے سے ملتا ہے کسی چیز سے نہیں ملتا۔ اب لکھنا میری مجبوری ہے۔ میں اگر نہیں لکھوں گا تو ایک نعمت خداوندی کو ضائع کروں گا اور یہ گناہ ہے۔ تو میں یہ قلم کاغذ اس لیے ساتھ لایا تھا کیونکہ میں نے یہ بات اپنے نبی ﷺ کی زندگی سے سیکھی ہے۔ وہ دنیا کے سب سے عظیم انسان ہیں۔

میں یہ نہیں سوچتا کہ ہر وقت لکھنے کا سامان ساتھ رکھنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے مگر میں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ اگر مجھے آپ ﷺ جیسا سچا اور دیانت دار انسان بننا ہے تو مجھے ان چھوٹی چھوٹی باتوں کو اپنانا ہوگا۔ تب ہی میں بڑے بڑے کام کر سکوں گا۔"

جرنیل ساؤ دنگ نے گہری سانس لی اور دونوں ابرو اٹھائے۔

"درست فرمایا۔ اب میں ذرا کشتی کا سامان بنانا شروع کر دوں۔" اور ذرا سی جھرجھری لے کر وہ مڑ گیا۔ ایڈم نے مسکرا کے سر جھٹکا اور واپس کاغذ کی طرف متوجہ ہو گیا۔

ابھی اسے بہت کچھ لکھنا تھا۔ اگر شہزادی تاشہ کی امیدیں بچی تھیں اور انہوں نے واقعی وقت کے اس پار چلے جانا تھا تو اسے یہ کتاب جلد از جلد مکمل کرنا تھی۔

☆☆☆

ملاکہ سلطنت کا بندا ہارا مراد راجہ اپنے محل میں داخل ہوا تو اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ اس کی نظر سے دیکھو تو سارے منظر نامے پہ سرخ دھند چھائی ہوئی تھی۔ دھندلی سی راہداری تھی جس میں وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا جا رہا تھا۔ تیز تیز..... راہداری بڑھتی جا رہی تھی..... وہ چلتا جا رہا تھا... سرخ دھند گہری ہوتی جا رہی تھی۔

درمیان میں کتنے لوگ آئے، پہرے دار، دربان، سپاہی، غلام۔ اس نے ہر ایک کو ہاتھ جھلا کے ہٹنے کا کہا۔ لوگ ہٹتے گئے۔ راستہ دیتے گئے۔ سرخ دھند دھوئیں میں بدلنے لگی۔ ایسا دھواں جس میں سانس لینا تک دشوار ہو رہا تھا۔

اس کا سینہ گھٹ رہا تھا۔ مٹھیاں بھنچی ہوئی اور ناخن ہتھیلی میں پیوست محسوس ہوتے تھے۔ آنکھیں دہکتے انگاروں جیسی ہو رہی تھیں۔ کسی بھوکے بھیڑیے کی مانند وہ جارحانہ انداز میں قدم اٹھا رہا تھا۔

(شہزادی نے اس شخص سے شادی کر رکھی ہے جو چین سے اس کے ساتھ آیا ہے اور مراد راجہ نے اس کو اپنے محل میں پناہ دے رکھی ہے۔) الفاظ اس کے کانوں میں پگھلا سیسہ انڈیل رہے تھے۔

گول زینہ سامنے آیا تو وہ بھی سرخ دھوئیں کی لپیٹ میں تھا۔ ایسا دھواں جس میں انسانی گوشت کے جلنے کی بو شامل ہوتی ہے۔

مراد راجہ زینے اترنے لگا۔ ایک ایک زینہ چھوڑ کے پھلانگتا..... وہ گول سیڑھیاں چکر کی صورت عبور کرتا نیچے آیا۔

وہاں قید خانے بنے تھے۔ قطار در قطار۔ قیدی اسے دیکھ کے اٹھ کھڑے ہوئے۔ مگر وہ سرخ آنکھوں کے ساتھ آگے بڑھتا گیا۔ سرخ دھواں گہرے سے گہرا ہوتا گیا۔ شدید بو محسوس ہو رہی تھی۔

راہداری کے سرے پہ وہ کال کوٹھڑی تھی۔ اس آتے کے ساتھ ہی زور سے دروازے پہ ہاتھ مارا۔

ساتھ کھڑے پہرے دار نے جلدی سے تالا کھولا تو مراد پٹ دھکیلتا اندر داخل ہوا۔

سرخ دھند میں اتنا نظر آیا کہ قیدی کونے میں زمین پہ بیٹھا ہے۔ پیر سے زنجیر بندھی ہے اور زنجیر کے سرے پہ وزنی لوہے کی گیند ہے۔ اسے دیکھ کے قیدی نے سر اٹھایا۔ اس کی چھوٹی آنکھوں میں چمک آئی اور وہ مسکرایا۔ سنہری رنگت اور چھوٹے بالوں والا خوش شکل قیدی جو بوسیدہ سفید کرتے پاجامے میں ملبوس اکڑوں بیٹھا تھا، اس وقت کسی دوسری دنیا کا باشندہ لگ رہا تھا۔

راجہ مراد کو سرخ دھند میں اس کے کپڑے بھی سرخی مائل نظر آ رہے تھے۔

اس نے قیدی کو گریبان سے پکڑ کے کھڑا کیا اور دیوار سے لگا کے غرایا۔

"تمہارا میری بیٹی سے کیا تعلق ہے؟"

فاتح نے اپنے ہاتھ نہیں اٹھائے۔ سر کی پشت دیوار سے لگائے رکھی۔ اور ابرو اچکا کے مسکرایا۔

"تم یہ سوال مجھے کرسی پیش کر کے بھی پوچھ سکتے ہو۔"

"بتاؤ مجھے..... کون ہو تم؟ ورنہ میں تمہاری جان لے لوں گا۔" مراد کی آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا۔

چند لمحے کے لیے قید خانے میں خاموشی چھا گئی۔ صرف مراد کے تیز، بے ربط تنفس کی آواز سنائی دیتی تھی۔

"ہماری دنیا میں ہمیں گیم تھیوری پڑھائی جاتی تھی۔ گیم تھیوری۔ حکمت چال۔ یہ ایک ایسی حکمت ہے جو کھیل، سیاست، جنگ حتیٰ کہ تمام بڑے فیصلے لیتے وقت استعمال کی جاتی ہے۔ کیا تم نے بھی حکمت چال کے بارے میں سنا ہے راجہ؟"

وہ تحمل سے بولا تو مراد راجہ نے جھٹکے سے اس کا گریبان چھوڑا اور دو قدم پیچھے ہٹا۔ اس کی سمجھ میں جیسے کچھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس آدمی کے ساتھ کیا کرے۔ بس دانت کچکچاتا وہ اسے دیکھ رہا تھا جو اپنی ہی رو میں کہہ رہا تھا۔

"کھلاڑی دو طرح کے ہوتے ہیں۔ متناہی اور لامتناہی۔ متناہی کھلاڑی محدود ہوتے ہیں۔ تمہارے جیسے۔ وہ جب کھیلتے ہیں تو اصولوں کے اندر رہتے ہوئے ایک مقرر کردہ ہدف کو حاصل کرنے کے لیے کھیلتے ہیں۔ وہ صرف جیتنے کے لیے کھیلتے ہیں۔ محدود کھلاڑی ہارتے بھی ہیں اور جیتتے بھی ہیں کیونکہ ان کا مقصد صرف طاقت کا حصول ہوتا ہے۔"

"میں آخری بار انسانوں کی زبان میں پوچھ رہا ہوں کہ تم کون ہو؟" وہ غرایا تھا۔ اس کا چہرہ غیظ و غضب سے سیاہ پڑ رہا تھا۔

"مگر لامتناہی کھلاڑی میرے جیسے ہوتے ہیں۔ لامحدود۔ وہ بغیر اصولوں کے بغیر کسی ہدف کے کھیلتے ہیں۔ ان کا مقصد جیتنا یا کوئی مقصد حاصل کرنا یا طاقت پالینا نہیں ہوتا۔ وہ اپنے ارادے کی مضبوطی سے کھیلتے ہیں۔ وہ اپنی مرضی سے اصول بدل لیتے ہیں، حدود کو آگے پیچھے کر لیتے ہیں کیونکہ وہ اپنی بقا کی جنگ لڑ رہے ہوتے ہیں۔ وہ صرف کھیل کو بڑھاتے رہنے کی غرض سے کھیلتے جاتے ہیں۔ وہ جیتنے کے لیے نہیں کھیلتے۔ اس لیے غیر لامتناہی کھلاڑی کبھی نہیں ہارتے۔ ان کو کوئی ہرا ہی نہیں سکتا۔"

"تمہارا...... میری بیٹی سے...... کیا تعلق ہے؟" راجہ نے چبا چبا کے الفاظ ادا کیے تو غصیلی نظریں اس پہ جمی تھیں۔ کال کوٹھڑی کے اندر وہ دونوں آمنے سامنے کھڑے تھے اور باہر راہداری میں سپاہی ہاتھ باندھے سر جھکائے کھڑے تھے۔

"ہماری دنیا کی حکمت چال کے مطابق... تم ایک لامتناہی کھلاڑی کو نہیں ہرا سکتے۔ بقا کی جنگ لڑنے والے زماں و مکاں کی قید سے نکل کے کھیلتے ہیں۔" پھر اس نے افسوس سے سر ہلایا۔ "ہمیں تمہارے ساتھ تب تک کھیل کھیلنا ہے جب تک کھیل جاری رہ سکے اور تم تھک کے ہمیں یہاں سے جانے دو۔ میں جب چاہتا ہوں اپنی مرضی سے اصول بدل لیتا ہوں کیونکہ تالیہ اور میرے کوئی 'اصول' کوئی حدود نہیں ہیں۔ ہمیں طاقت اور اہداف نہیں چاہئیں۔

ہمیں صرف اپنی دنیا میں واپس جانا ہے اور جب تم مجھے اپنے سامنے کرسی پہ بٹھانے کے لیے تیار ہو جاؤ گے تو میں تمہیں بتا دوں گا...... کہ میرا اور تالیہ کا کیا تعلق ہے۔"

مراد راجہ نچلا لب دانتوں سے دبائے' نفی میں سر ہلاتا الٹے قدموں پیچھے ہٹتا گیا۔

"خدا کی قسم! اگر ملکہ کی بات درست ہے تو میں تمہارا کھیل تم پہ الٹ دوں گا۔" وہ الٹے قدموں پیچھے جا رہا تھا۔ سرخ دھواں آہستہ آہستہ چھٹ رہا تھا۔ نیم تاریک کمرہ صاف دکھائی دینے لگا۔

"میں تم سے نہیں ڈرتا' راجہ! تم مجھے کبھی نہیں مارو گے' میں جانتا ہوں اور اب تو بالکل بھی نہیں۔" وہ دیوار سے لگا کھڑا تھا اور ہاتھ سینے پہ لپیٹ لیے تھے۔ آنکھوں میں راجہ کے لیے صرف ترحم تھا۔

"میں تمہیں...... ابھی...... ابھی اسی وقت مار سکتا ہوں۔" وہ بلند آواز میں گرجا۔ غم و غصے سے اس کا چہرہ سرخ پڑ رہا تھا۔

سینے پہ بازو لپیٹے کھڑے فاتح نے ابرو اچکائے۔ "اگر تم نے مجھے مار دیا تو تمہاری بیٹی اور تمہارے رشتے کا کیا بنے گا؟ وہ تمہیں بھی معاف نہیں کرے گی۔ یہی سوچ رہے ہو نا تم اس وقت۔ میں تمہارا ذہن پڑھ سکتا ہوں' بندا ہارا!" وہ سرد سا مسکرایا۔ "اس لیے بہتر ہے کہ مجھے مارنے کے بجائے تم اپنی فکر کرو کیونکہ تمہیں بہت جلد اس سے بڑے جھٹکے ملنے والے ہیں۔ کیونکہ میں کھیل جاری رکھنے کے لیے کھیل رہا ہوں۔"

"میں تمہیں دیکھ لوں گا۔" وہ اس پہ غراتا ہوا آگے بڑھا۔ ساتھ ہی بلند آواز میں حکم صادر کیا۔ "اس کا کھانا پانی بند کر دو اور...... اور......" بے بسی سے جیسے وہ بس یہی حکم جاری کر پایا تھا۔ "اور اس کو اتنا مارو کہ یہ خود بھی خود کو نہ پہچان سکے۔"

سپاہی فوراً فاتح کی کوٹھڑی کی طرف لپکے۔ دوسری کوٹھڑیوں کے قیدی بھی کھڑے ہونے لگے۔

مراد راجہ ماتھے پہ بل ڈالے' بازو پیچھے باندھے' لمبے ڈگ بھرتا زینے کی طرف بڑھ گیا۔

سرخ دھند کی جگہ اب سیاہ دھوئیں نے لے لی تھی۔

اس کے اندر کا سارا گوشت جیسے جل گیا تھا اور اب صرف راکھ رہ گئی تھی۔

☆☆☆

بندا ہارا کے محل کے داخلی دروازے کے سامنے جو روش بنی تھی' اس پہ پھولوں کی پتیاں گری ہوئی تھیں۔ آج صبح شہزادی تاشہ واپس آئی تھی تو بگھی سے اترتے ہی اس کا استقبال کنیزوں اور خادموں نے بہت محبت سے کیا تھا۔

اس کا کمرہ ویسا ہی تھا جیسا وہ چھوڑ کے گئی تھی' البتہ مختلف جگہوں پہ کھونٹیاں لگا کے زرتار کام دار ملبوسات لٹکائے گئے تھے۔ یہ اس کی شادی کے لیے بنوائے گئے تھے۔ وہ چند انار کے مسہری پہ بیٹھی کینہ توز نظروں سے ان کپڑوں کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے جوڑے میں بندھے بال خشک ہو رہے تھے۔ وہ دو دن پرانا سیاہ کرتا پاجامہ پہنے وہ قدرے بے رونق سی لگ رہی تھی۔ چہرے پہ سفر کی تکان تھی اور آنکھوں میں بیزاری۔

ایک زمانے میں اس کی کتنی خواہش تھی کہ......

کہ وہ کوئی شہزادی ہوتی......

جس کی شادی کسی بادشاہ سے ہوتی......

اور سونے چاندی کے ڈھیر کے ساتھ زرتار عروسی ملبوسات میں اس کو رخصت کیا جاتا۔

اور آج اس نے جانا تھا کہ کچھ خواب پورے ہونے کے لیے نہیں' صرف دل کو خوش کرنے کے لیے ہوتے ہیں۔ فینٹسی۔ ذہن میں بنی کہانیاں۔ ان کو پورا نہیں ہونا چاہیے۔ ورنہ وہ ٹریجڈی بن جاتی ہیں۔

شریفہ ایک دم آندھی طوفان کی طرح اندر بھاگتی ہوئی داخل ہوئی تو تالیہ نے بے زاری سے اسے دیکھا۔ "ابھی تو ہم سفر سے آئے ہیں...... دو گھڑی سانس تو لے لو شریفہ!"

"شہزادی...... شہزادی......" پھولے تنفس سے اس نے جو بات بتائی' وہ تالیہ مراد کو پتھر کا بت بنا گئی تھی۔

☆☆☆

قید خانے میں وہ صلیب کی صورت میں بندھا تھا اور سپاہی اس کی کمر پہ زور زور سے کوڑے مار رہا تھا۔ فاتح نے آنکھیں بند کر رکھی تھیں۔ اس کے کندھوں اور کمر سے خون بہہ رہا تھا۔ ہر ضرب کے ساتھ دماغ کی چولیں ہل جاتیں اور خون کے ہر قطرے کے ساتھ وہ مناظر یاد آنے لگتے۔

آریانہ سفید لباس میں پہاڑی پہ گری ہوئی تھی۔

اس کا لباس خون آلود تھا۔

اس کی آنکھیں بند تھیں۔

وہ اس کا سر گود میں رکھے رو رہا تھا۔

وہ اپنے ہاتھوں سے زمین کھود رہا تھا۔

سپاہی اس کی کمر پہ زور زور سے کوڑے برسا رہا تھا اور وہ...... وہ آریانہ کی پتھروں سے ڈھکی قبر کے سامنے گم صم بیٹھا تھا۔ اس کے چہرے پہ آنسوؤں کے نشانات تھے۔

اس کی کمر پہ خون کی دھاریں تھیں۔

جب تالیہ اس گول زینے کو اتر رہی تھی تو اس کے سامنے کوئی سرخ دھند نہ تھی۔ صرف خوف تھا اور امید تھی۔ دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ چہرہ غم و غصے سے دہک رہا تھا۔

وہ بھاگتی ہوئی نیچے آئی تھی۔ سیاہ کرتے پاجامے میں ملبوس' وہ ننگے پیر دیوانہ وار اس آخری کوٹھڑی کی طرف بھاگی۔

چوکھٹ پہ پہنچ کے وہ دھک سے رہ گئی۔

کوٹھڑی کا دروازہ کھلا تھا۔ چند سپاہی اندر کھڑے تھے۔ ایک دیوار سے لگا کھڑا فاتح صلیب کی صورت بندھا تھا۔ اس کی گردن بائیں کندھے پہ ڈھلکی ہوئی تھی اور لباس پھٹا ہوا خون آلود تھا۔ پیشانی اور سر کے مختلف حصوں سے خون بہہ بہہ کے جسم پہ گر رہا تھا۔ کندھے' کمر' بازو...... ہر جگہ زخموں کے نشان نظر آتے تھے۔ اس کی آنکھیں بند تھیں جیسے بے ہوش ہو یا کرب سے میچ رکھی ہوں۔

"ہٹو۔ چھوڑو اس کو۔ میں کہہ رہی ہوں' چھوڑو اس کو۔" شہزادی تاشہ غراتی ہوئی آگے آئی اور جو سپاہی فاتح کے سر پہ کھڑا ہنٹر فضا میں بلند کیے اسے مارنے ہی لگا تھا' اسے پرے دھکیلا۔ سپاہی چونکا' پھر گرتے گرتے سنبھلا اور اس کی طرف دیکھا۔

سامنے وہ بھوکی شیرنی کی طرح کھڑی اسے گھور رہی تھی۔

"تمہاری ہمت کیسے ہوئی کہ تم اس کو ہاتھ بھی لگاؤ۔" وہ جب اس کو سرخ آنکھوں سے دیکھتی غرائی تو اس کی آواز میں نسوانی پن نہ تھا۔ وہ کسی وحشی درندے کی غراہٹ لگتی تھی۔ وان فاتح نے اس عجیب آواز پہ آنکھیں ذرا سی کھولیں۔ وہ دونوں پہلوؤں پہ ہاتھ رکھے کھڑی سپاہی پہ چلا رہی تھی۔

"شہزادی...... یہ راجہ کا حکم ہے' اس لیے خدارا آپ یہاں سے جائیے اور ہمیں ہمارا کام کرنے دیں۔" ہنٹر والا ہاتھ اس نے پیچھے کر کے بصد احترام بتایا تو شعلہ بار نظریں اس پہ جمائے چند قدم آگے آئی۔ سپاہی نے گردن جھکا دی۔

"میں ملاکہ سلطنت کے بندا ہارا مراد راجہ کی بیٹی تاشہ ہوں۔ میں...... سلطان مرسل شاہ کی ہونے والی بیوی ہوں۔ میں ملاکہ سلطنت کی ہونے والی ملکہ ہوں۔ جب سلطان مرے گا تو میں اس ملک کی حکمران ہوں گی اور میرے بیٹے تخت سنبھالیں گے۔ مراد راجہ ماضی ہو گیا ہے۔ ملکہ بنتے ہی سب سے پہلے میں اس کی گردن قلم کرواؤں گی۔ اب تم بتاؤ' جرنیل! تمہیں کس کا حکم ماننا ہے؟ ہونے والی ملکہ کا؟ یا ہونے والے مقتول کا؟" وہ آنکھوں میں خون لیے اسی غراہٹ کے ساتھ کہہ رہی تھی۔ فاتح کی طرف اس کا نیم رخ تھا۔ اس نے بدقت دھندلی بصارت سے منظر دیکھنا چاہا۔

سپاہی نے مزید سر جھکا دیا اور ہنٹر زمین پہ پھینک دیا۔ دوسرے سپاہی بھی پیچھے ہٹ گئے۔

"میں تمہارے راجہ سے مل کے آتی ہوں۔ تب تک اس قیدی کو کھانا کھلاؤ' پانی پلاؤ اور نیا لباس دو۔ پھر اس کی مرہم پٹی کرو۔"

اب غراہٹ نہیں تھی مگر آواز ہنوز بھاری تھی۔ اس میں شہزادیوں والا ناز و انداز نہیں' ملکہ والا قہر تھا۔ پھر وہ فاتح کی طرف گھومی جو بے حال سا بندھا کھڑا تھا اور ایک اچٹتی نظر اس پہ ڈالی۔

"جب میں واپس آؤں تو مجھے یہ تندرست نظر آنا چاہیے۔ اپنی ملکہ کی بات ماننا سیکھو' جرنیل!"

وان فاتح نے اسے دیکھتے ہوئے زخمی چہرے کے ساتھ ابرو اچکائے۔ (سیریسلی؟) لب بے آواز ہلے۔

تالیہ نے جواب نہیں دیا۔ بس اسے بھی ایک خشمگیں نظر سے نوازا اور تیز تیز باہر نکل گئی۔

مراد راجہ باغیچے میں تنہا ٹہل رہا تھا۔ سر پہ قیمتی جواہر سے مزین ٹوپی تھی اور کندھوں پہ سنہری قبا۔ بازو کمر پہ باندھے وہ کچھ سوچ رہا تھا۔

"راجہ... مراد راجہ!" آواز پہ وہ تیزی سے گھوما۔

سامنے سے دوڑتی ہوئی تالیہ آ رہی تھی۔ وہ ملگجے لباس میں تھی اور چہرے پہ سخت تفتیش چھایا تھا۔

مراد اس کو دیکھ کے یک لخت سن ہو گیا تھا۔ پھر جیسے ہی وہ قریب آئی اس نے اسے کندھوں سے تھاما۔ "تالیہ...... تم آ گئیں۔"

اس نے سختی سے مراد کے ہاتھ جھٹکے۔

"آپ کو لگتا تھا، میں نہیں آؤں گی؟"

"وان فاتح نے کہا تھا کہ تمہارا انجام یہ ہو گا کہ...... (اس کی آواز ٹوٹی) تم سمندری سفر سے نہیں لوٹو گی۔"

"تو کیا آپ وان فاتح سے ہر ایک کا انجام پوچھ رہے تھے؟" اس کی آواز میں تلخی در آئی۔ "میرے جاتے ہی آپ نے اسے کھوج نکالا اور پھر قید کر کے یوں تشدد کیا جیسے مجھے کبھی واپس ہی نہیں آنا تھا؟ یہی چاہتے تھے آپ؟"

مراد کے چہرے پہ افسوس ابھرا۔ "میں کبھی بھی ایسا نہیں چاہتا تھا۔ میں نے تمہارے پیچھے سپاہی بھیجے تاکہ وہ تمہیں واپس لائیں۔ وہ کل رات کو لوٹ آئے۔ ان کے مطابق تم جنوبی گل نہیں گئی تھیں۔ میں نہیں پوچھوں گا کہ تم کہاں گئیں کیونکہ تم اب واپس آ گئی ہو' یہی بہت ہے۔"

پھر اس کی آنکھوں میں تکلیف ابھری۔ "تم میری بیٹی ہو' تالیہ۔ تم نے اتنے سال میرے ساتھ سارے کام مل کے کیے ہیں۔ تم جنگل میں میرے ساتھ جاتی تھیں' جب میں 'عبادت' میں مشغول ہوتا تھا تو تم میرے لیے کھانا بناتی تھیں۔" وہ تاسف سے اسے دیکھتا کہہ رہا تھا۔ "ہاں تم ایک دم سے...... بڑی ہو گئی ہو اور میں تمہارے اس...... (اس کی طرف اشارہ کیا) نئے روپ سے سمجھوتا نہیں کر سکا کیونکہ میرے لیے میری بیٹی وہی چھوٹی سی تھی۔ لیکن 'وقت' تمہیں جتنا بھی بدل دے' وہ میرے دل سے تالیہ کی جگہ کو نہیں بدل سکتا۔"

سامنے کھڑی تالیہ کی پیشانی شکن آلود ہوتی گئی۔ "اب ان باتوں کا وقت گزر گیا ہے' راجہ! یہ باتیں اب مجھ پہ اثر نہیں کرتیں۔ مجھے صرف اتنا بتائیے کہ وان فاتح پہ اتنا ظلم کیوں کیا آپ نے؟"

"کیونکہ اسے کرسی پہ بٹھانے کا وقت نہیں آیا۔" مراد کے تاثرات تن گئے۔ چہرے پہ برہمی عود آئی۔ "تم اس کی فکر کرنا چھوڑ دو۔"

"وہ کرسی کا حق دار ہے راجہ! وہ کرسی پہ ہی بیٹھے گا۔ وہ محلوں میں رہنے والا ہے اور محل ہی اس کا مقدر ہیں۔ اس کے سر کے اوپر سے حکمرانی کا ہما گزرا ہے۔ آپ اس کو نقصان نہیں پہنچا سکتے۔"

"تمہارا کیا تعلق ہے اس سے؟" وہ زیر لب آہستہ سے بولا۔ تیز شکاری نظریں تالیہ کے چہرے پہ جمی تھیں۔

"جب اس کو کرسی پیش کریں گے تو وہ بتا دے گا لیکن ابھی کے لیے آپ اس کو جانے دیں ورنہ میں سپاہیوں سے کہوں گی اور وہ اسے جانے دیں گے۔"

"میری پیاری شہزادی!" وہ طنز سے مسکرایا۔ "سپاہی میرے ہیں اور میرا حکم مانتے ہیں۔ کل میں نے ان سپاہیوں کو حکم دیا تھا کہ اسے تب تک مارو جب تک تاشہ نہ آ جائے اور اگر وہ کہے کہ مت مارو تو ہاتھ روک دینا لیکن اگر وہ کہے کہ اسے چھوڑ دو تو اپنی تلواریں شہزادی تاشہ کے اوپر تان لینا۔ وہ خود ہی پیچھے ہٹ جائے گی۔"

کاٹ دار لہجے میں بولتا وہ بالکل اجنبی ہو گیا تھا۔

تالیہ کے اکڑے کندھے ڈھیلے پڑنے لگے۔

"بابا......" اس کے لب پھڑپھڑائے۔

"بابا کہنے کا وقت بھی گزر چکا ہے۔ مجھ پہ اب یہ الفاظ اثر نہیں کرتے۔ چند لمحے پہلے تک میں شک میں تھا کہ ملکہ کی بات غلط ہو گی لیکن تمہارا انداز سب عیاں کر چکا ہے۔" وہ افسوس سے کہہ رہا تھا۔ "تم مجھے اپنا دشمن سمجھتی ہو' باپ نہیں۔ تم نے مجھ سے جھوٹ بولا کہ تم اکیلی آئی ہو۔ تم نے اپنی شادی کو چھپایا۔ تم نے سلطان کے سامنے مجھے مجرم بنا دیا۔ وان فاتح درست کہتا تھا۔ تم اپنی دنیا میں ایمان دار نہیں تھیں۔ مجھے تم سے ایمان داری کی توقع نہیں کرنا چاہیے تھی۔"

وہ چپ کھڑی اسے دیکھتی رہی۔

"میں تمہیں ملاکہ کی سلطنت دینے جا رہا تھا اور تم نے اپنی اس دنیا کو ترجیح دی جہاں تم اپنی محنت سے دو آنے تک نہیں کما سکتی تھیں۔ کیا ہو تم اس دنیا میں؟ یہ جو یہاں تمہاری آواز میں غراہٹ در آئی ہے نا' یہ اس دنیا میں نہیں ہو گی کیونکہ یہاں تمہارے پاس طاقت ہے اور طاقت جیسا اور کچھ بھی نہیں ہوتا۔ تم اپنی دنیا میں واپس چلی گئیں تو دیوانی ہو جاؤ گی' پاگل ہو جاؤ گی کیونکہ وہاں تم شہزادی نہیں ہو گی۔ اس لیے قدر کرو اس سلطنت کی جو تمہاری ہونے والی ہے۔ ابھی بھی وقت ہے تالیہ' ملکہ کے الزامات کو رد کر دو اور کہہ دو کہ تم نے اس...... (دانت پیسے) اس غلام سے نکاح نہیں کر رکھا۔ خدا کی قسم میں تمہیں بچا لوں گا۔"

تالیہ بس سپاٹ نظروں سے اسے دیکھے گئی۔

"سوچ لو تالیہ! میں آخری بار کہہ رہا ہوں۔"

"اس کو کرسی پیش کریں راجہ۔ اس سے پوچھیں کہ وہ کیا چاہتا ہے تو وہ بتا دے گا اور یہ آپ کی بھول ہے کہ آپ اسے قید میں زیادہ دیر رکھ سکتے ہیں۔ اگر میں اسے نہیں آزاد کروا سکتی تو کوئی ہے جس کے پاس مجھ سے زیادہ طاقت ہے اور جس دن اس کو اپنی طاقت کا علم ہوا' وہ اسے آزاد کروا لے گا۔"

مراد راجہ کے ابرو بھنچ گئے۔ "کون؟"

"آپ جلد جان جائیں گے۔" وہ تنفر سے کہتی ایک آخری نظر اس پہ ڈالتی پلٹ گئی۔ یقیناً اسے قیدی کے پاس جانے کی جلدی تھی۔

مراد نے ایک خشمگیں نگاہ اس پہ ڈالی اور پلٹ گیا۔ اس کا رخ اپنی تیار سواری کی طرف تھا۔ اسے بھی کسی سے ملنے کی جلدی تھی۔

دھند کا جالا بنتی سرخ گھڑی، اس نے ذہن سے نکال کے دور پھینک دی تھی۔

☆☆☆

قید خانے کا ماحول اب قدرے مختلف تھا۔ فضا سے تناؤ' خوف اور وحشت چھٹ چکی تھی۔ اب وہاں صرف خاموشی تھی۔

وان فاتح کی کوٹھری کا دروازہ بدستور کھلا ہوا تھا۔ اس کے پیر میں بندھی زنجیر ویسی ہی تھی' مگر لباس بدل چکا تھا۔ خاکی رنگ کا صاف پاجامہ اور اوپر بنا آستین کی جیکٹ نما شے پہن رکھی تھی۔ کمر پہ پٹیاں بندھی تھیں اور سامنے کھلے سینے پہ بھی کئی جگہ مرہم لگا ہوا تھا۔ وہ اکڑوں بیٹھا تھا اور دیوار سے ٹیک لگا رکھی تھی۔ چہرہ اب صاف تھا' مگر خون آلود کٹ دکھائی دیتے تھے۔

ایک خادم اس کے برہنہ با ... زخم کو دیکھ رہا
تھا' دوسرا دوا کا تھال لیے سر ...
"تم لوگ جاؤ' میں د ...
ساتھ نسوانی جوتی کی قر ...
فاتح نے آنکھیں کھو ... رف

میں وہ نظر آئی تھی۔ اس نے پلکیں جھپکیں۔ دھندلا منظر ذرا واضح ہوا۔

وہ بھورے بالوں گرنگ میں ملبوس' سر پہ دوپٹا لپیٹے' سادہ مگر خوبصورت کنیز لگ رہی تھی۔ سپاٹ چہرے کے ساتھ قریب آئی اور روئی خادم کے ہاتھ سے لی۔ پھر فاتح کے پاس دوزانو ہو کے بیٹھی۔

"یہ تھال یہیں رکھ دو اور جاؤ۔ مجھے دوسری دفعہ نہ کہنا پڑے۔" انداز حتمی تھا۔

خادم تعظیم بجالائے اور باہر نکل گئے۔ دروازہ کھلا رہ گیا۔

تالیہ نے روئی تھال میں پڑے پیالے میں ڈبوئی' اس پہ پانی جیسا مائع لگ گیا اور پھر اس کے بازو کے اوپری حصے تک لائی۔ وہ جو ادھ کھلی آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا' کندھا پیچھے کیا۔ تالیہ نے محض سیاہ آنکھیں اٹھا کے اسے دیکھا۔

"مجھے زخم کو دیکھنے دیں۔" انگریزی میں زیر لب بولی۔ گویا منت کی۔

"تمہیں زخموں کا کیا پتا؟"

"سنگاپور کی ایک امیر بیوہ کو لوٹا تھا میں نے۔ اس کی نرس بن کے گئی تھی۔ وہ ایکسیڈنٹ میں زخمی ہوئی تھی۔" اس نے فاتح کے بازو کو دیکھتے اب بھیگی روئی زخم پہ رکھی تو اس نے (سس) کر کے آنکھیں موند لیں۔

"کیا چرایا تھا اس کا؟"

"زیور اور کچھ نقدی۔ مگر جتنی خدمت اس کی میں نے کی وہ میرا حق بنتا تھا۔ اس لیے تھوڑا بہت یہ کام آتا ہے مجھے۔"

"وقت کے اس پار زخموں کی دیکھ بھال کے طریقے مختلف ہوتے ہیں' حالم!"

وہ جو روئی سے آہستہ آہستہ زخم صاف کر رہی تھی' بے اختیار ہاتھ روک کے اسے دیکھنے لگی۔

"اتنے دن بعد میرا یہ نام کیسے یاد آیا آپ کو' تواِنکو؟"

"جیسے تمہیں اتنے دن بعد اپنا پرانا کام یاد آیا۔" وہ ماتھے پہ شکنیں لیے آنکھیں میچے ہوئے تھا۔ بازو پہ سرخ لکیروں کی صورت لمبے لمبے کٹ پڑے تھے۔ تالیہ آہستہ آہستہ بھیگی روئی سے ان کو صاف کرنے لگی۔

"آپ تو کہتے تھے آپ کسی سے نہیں ڈرتے' راجہ کے سامنے کھڑے ہونے کے لیے تیار ہیں۔ اب ان زخموں سے تکلیف کیوں ہو رہی ہے؟"

فاتح نے آنکھیں کھول کے مصنوعی خفگی سے اسے دیکھا۔

"تکلیف تو سب کو ہوتی ہے۔"

"ڈر بھی سب کو لگتا ہے اور کسی کا ساتھ بھی سب کو ہی چاہیے ہوتا ہے۔ آپ جتنے بھی بہادر اور مضبوط بن جائیں فاتح صاحب' فطری جذبات سے نہیں بھاگ سکتے آپ۔" وہ پلکیں زخم پہ جھکائے کہہ رہی تھی۔ وہ چند لمحے اس کا چہرہ دیکھتا رہا۔

"تم جلدی آگئیں۔ حالانکہ تمہیں ادھر رہنا تھا اور ایڈم کو واپس آنا تھا۔"

"آپ کو میری ضرورت تھی۔ اسی لیے آگئی۔"

فاتح نے ہلکا سا سر جھٹکا پھر بات بدل دی۔

"جزیرہ مل گیا تھا؟"

"اور سونا بھی۔ ایڈم وہ سب ساتھ لے کر ہی آئے گا۔" وہ اب دھیمی آواز میں تفصیلات بتا رہی تھی۔

"گڈ۔ ہر چیز پلان کے مطابق جا رہی ہے۔"

"سوائے آپ کی گرفتاری اور اس قید کے۔"

اس نے روئی رکھی اور مرہم سے بھرا پیالہ اٹھایا۔ پھر انگلی اس میں ڈبوئی اور کندھے پہ دوا لگانا شروع کی۔ ٹھنڈے مرہم کے زخم پہ لگتے ہی وہ (سس) کراہا مگر ضبط کر گیا۔

"تو تم آگئی ہو نا۔ مجھے چھڑوا لو گی۔"

"نہیں۔ راجہ کو ملکہ نے ہمارے نکاح کا بتا دیا ہے' وہ اب آپ سے کسی قسم کی رعایت نہیں برتے گا۔ سپاہی میرا حکم نہیں مانیں گے۔"

"پھر؟" اس نے تشویش سے ابرو اٹھائے۔

"آخری مرحلے کے لیے میرا آزاد ہونا ضروری تھا۔"

"تالیہ کے پاس ہمیشہ پلان ہوتا ہے۔ پلان اے ناکام ہو جائے تو پلان بی ہے نا۔"

"اور پلان بی کا کیا؟"

"تالیہ کے پلانز ہیں۔ تالیہ کی مرضی!" وہ توجہ سے دھیرے دھیرے دوا لیپ رہی تھی۔

کوٹھری میں خاموشی چھا گئی۔ باہر جانے کون سا پہر ہوا تھا' اندر ہمیشہ اندھیرا ہوتا تھا۔ ایسے میں دیوار پہ نصب مشعلوں کے شعلے مدھم روشنی بکھیرے ہوئے تھے۔

اس کے ہاتھ پہ بھی ضرب لگی تھی اور ہتھیلی کے اندر کی طرف بڑا سا کٹ لگا تھا۔ تالیہ نے اس کی ہتھیلی اپنے ایک ہاتھ پہ پھیلائی اور پھر بھیگی روئی سے ہتھیلی پہ لگی خون کی لکیر صاف کی۔

"تم واپس جا کے کیا کرو گی؟" وہ اس کی جھکی پلکیں دیکھ کے پوچھنے لگا تو انداز نرم تھا۔

تالیہ نے چہرہ نہیں اٹھایا۔ بس مگن انداز میں اس کی ہتھیلی سے خون کے دھبے صاف کرتے ہوئے بولی۔ "میں اپنی وہ دولت جس کو میں نے محنت سے نہیں کمایا......"

"یعنی ساری دولت......"

"اس کو میں اپنے پاس نہیں رکھوں گی۔ فارغ وقت میں پینٹنگز بناؤں گی۔ جائز کمائی کروں گی اور خوش رہوں گی۔ شاید کسی دوسرے ملک چلی جاؤں۔ آپ تو ظاہر ہے جاتے کے ساتھ ہی مجھے چھوڑ دیں گے۔"

"ہاں' ظاہر ہے۔" اس نے عام سے انداز میں کہا۔ تالیہ کے ہاتھ لمحے بھر کو بھی نہیں تھمے۔ وہ زخم صاف کرتی رہی۔

بس اس وقت اس کو کمزور نہیں پڑنا تھا۔ اس تعلق پہ رونے کے لیے عمر پڑی تھی۔

"آپ کیا کریں گے؟"

"میں واپس جا کے ایک دنیا کو وضاحت دیتا رہوں گا کہ یہ چار ماہ میں نے کہاں گزارے۔" اس نے جھرجھری لی۔

"چار ماہ!" تالیہ نے گہری سانس لی۔ "چار ماہ بیت گئے۔ لیکن..." وہ چونکی۔ "اگر وقت رک گیا ہو تو؟"

"اور اگر نہ رکا ہو تو؟ ہمیں ہر بات کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ بس۔" وہ ہاتھ پہ دوا لگا رہی تھی' اس لیے اس کے لبوں سے سسکاری نکلی۔ آنکھیں بھی تکلیف سے میچیں۔ تالیہ نے رک کے اسے دیکھا۔

"ایک بات پوچھوں۔" اس کا دھیان بٹانے کی غرض سے بولی۔ "آپ کا والٹ کہاں گیا؟"

"موبائل' والٹ' جوتے' ہر چیز جنگل میں کھو گئی تھی جب ہمیں گرفتار کیا گیا تھا۔"

"آپ کا والٹ میرے پاس ہے۔ گر گیا تھا تو میں نے اٹھا لیا۔ دینا بھول گئی تھی۔"

وہ چونکا' پھر اسے دیکھ کے تاسف سے نفی میں سر ہلایا۔

"اور تمہیں تو بھول کے چیزیں اٹھانے کی بہت عادت ہے۔"

اس نے مسکراہٹ دبا کے شانے اچکائے۔ پھر دوا کا پیالہ رکھ دیا اور پٹی اٹھائی۔

"اس کے اندر ایک زپ لاک بیگ میں مکئی کے چند دانے تھے۔ ٹوٹے پھوٹے پرانے پاپ کارن۔ آپ نے انہیں کیوں رکھا ہوا ہے سنبھال کے؟" وہ اب پٹی اس کے ہاتھ پہ باندھ رہی تھی۔

جواب نہیں آیا تو سر جھکائے کام کرتے ہوئے بولی۔

"ٹھیک ہے' نہ بتائیں۔ ویسے بھی میں ہوں تو آپ کی بس ایک ادنیٰ سی کارکن۔ تالیہ دی فیمن گرل۔ اس لیے......"

"وہ آریانہ کے تھے۔" تالیہ نے چونک کے سر اٹھایا۔ پٹی کا بل دیتے ہاتھ وہیں تھم گئے۔

وہ اسی کو دیکھ رہا تھا مگر اس کی آنکھوں میں کچھ تھا جو اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ آواز بھی دھیمی ہو گئی تھی۔

"جس دن آریانہ کھوئی تھی' وہ انہیں کھا رہی تھی۔ جب میں اس کی تلاش میں پہاڑیوں کی طرف

دوڑا تو مجھے وہ نظر آئے۔ وہ اغوا کاروں کی نشان دہی کے لیے پاپ کارن گرائی گئی تھی تاکہ ہم ان کی مدد سے اسے تلاش کرلیں۔ اسے فیری ٹیلز پسند تھیں۔"

وہ اداسی سے مسکرائی۔ پھر چونکی۔ "لیکن آپ نے تو پریس میں کہا تھا کہ آریانہ کا کوئی سراغ نہیں ملا۔ سب کو یہی معلوم ہے کہ اسے صوفیہ رحمن نے اغوا کروا کے غائب کروا دیا تھا۔ مسز عصرہ تو ٹی وی پہ برملا کہتی ہیں کہ ان کی بیٹی کسی اچھے گھرانے کو ہی ملی ہوگی کیونکہ ان کو واپس نہیں ملی مگر....." اس کی آنکھیں وان فاتح کی زخمی آنکھوں پہ ٹھہر گئیں۔ "مگر.....کیا آپ کو پاپ کارن ملے تھے؟"

وہ خاموش رہا۔ دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ وہ پلک تک نہیں جھپک رہی تھی۔

"تو انگو..... آپ کو..... وہ مل گئی ہے نا؟" اس کو اپنی آواز بھی سنائی نہ دیتی تھی۔ بے یقینی سی بے یقینی تھی۔ فاتح نے ہلکا سا سر کو خم دیا۔

"وہ جہاں مجھے ملی تھی اس کے پاس سے مجھے یہ پاپ کارن ملے تھے۔ کچھ کو میں نے سنبھال لیا۔ کچھ مجھ سے کھو گئے۔"

"اور آریانہ؟" اس کا سانس اٹکا ہوا تھا۔

"آپ کی بیٹی؟"

"وہ مر چکی تھی تالیہ! میں نے اسے وہیں دفنا دیا اور میں واپس چلا آیا۔" وہ گہری سانس لے کر بولا اور وہ اگلا سانس نہیں لے سکی۔

"مسز عصرہ کو معلوم ہے؟" بہت دیر بعد وہ بول پائی۔

"میں نہیں بتا سکا اسے۔"

"مگر کیوں؟" وہ دنگ رہ گئی۔

"مجھے جو ٹھیک لگا میں نے وہ کیا۔ اس وقت میں اپنی بیٹی کی موت کو سیاسی ایشو نہیں بنا سکتا تھا۔ ہم خاندان کو سیاست سے الگ رکھنے والے لوگ ہیں۔ بہت سے لوگ خود ہی سمجھ گئے کہ وہ زندہ نہیں ہوگی۔" وہ ٹھہر ٹھہر کے بول رہا تھا۔ اسے تکلیف ہو رہی تھی۔

"نہیں۔ مسز عصرہ کو نہیں معلوم تو کسی کو نہیں معلوم۔ آپ ان کو تو بتا سکتے تھے۔"

"کیسے بتاتا؟ اور اگر بتاتا تو وہ لاش دیکھنے کی ضد کرتی۔ میں اپنی آریانہ کی وہ حالت کسی کو نہیں دکھا سکتا تھا۔" اس کی آواز تیز ہوئی۔ "اور عصرہ بالکل ٹوٹ جاتی۔ اس لیے میں نے اس کو ایک امید تھما دی۔ کم از کم وہ اسٹیبل تو رہے گی۔ اسے سکون تو رہے گا۔"

"ایک ماں کو سکون کیسے آسکتا ہے بھلا؟ آپ کو انہیں بتانا چاہیے تھا۔ مر جانے والے کا صبر کھو جانے والے سے جلدی آجاتا ہے۔" وہ شکوہ کرنے لگی۔ پٹی لپیٹتے ہاتھ وہیں اس کے ہاتھ کے اوپر ٹھہرے ہوئے تھے۔

"عصرہ کو نہ آتا۔ وہ ایک مثبت عورت نہیں ہے۔ وہ ہمیشہ منفی رہتی ہے۔ میں اس کو مزید منفی بننے سے بچانا چاہتا تھا۔"

"یا شاید آپ کو یہ ڈر تھا کہ وہ آپ کو الزام دیں گی۔ کیونکہ آپ کی سیاست نے یہ دن دکھایا تھا۔ اسی لیے اس روز پارٹی پہ وہ مجھ سے کہہ رہی تھیں کہ (اس نے یاد کرنے کی کوشش کی۔ چار ماہ پہلے کی شام بمشکل یاد آئی۔) کہ آریانہ کے بعد انہوں نے سیاست میں حصہ لینا چھوڑ دیا۔ لیکن اگر آپ نے پہلے نہیں بتایا تو اب بتادیں۔"

"کبھی بھی نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔ آنکھوں سے وہ چیز چلی گئی اور پہلے جیسی سنجیدگی واپس چھا گئی۔ "ہماری شادی پہلے ہی بہت پیچیدہ ہو چکی ہے۔ میں اس میں مزید پیچیدگیاں نہیں بھر سکتا۔"

"آپ کی شادی پیچیدہ ہے؟" وہ چونکی۔ "کیا آپ دونوں کے درمیان مسئلے چل رہے ہیں؟"

"اس بات کو جانے دو۔ اور ہاں....." اس نے بات بدلی۔ "میں نے تمہارے بابا کو بتایا تھا کہ تم اس دنیا میں چور تھیں۔ اور مجھے وہ سب کہتے ہوئے اچھا نہیں لگا۔"

"مگر وہ پلان کا حصہ تھا۔ میں نے خود ہی آپ سے کہا تھا کہ ان کو بتا دیجیے گا تاکہ وہ آپ پہ بھروسا

کریں۔"

"لیکن تم..... اپنے باپ سے اپنا معاملہ درست کرلو تو اچھا ہوگا۔"

"اس کا وقت گزر چکا۔" وہ بات کاٹ کے بولی۔ "ویسے بھی ان کو کوئی فرق نہیں پڑتا اگر میں کسی سمندری سفر پہ جا کے کبھی واپس نہ آؤں۔" پھر وہ ہلکا سا ہنسی۔ "یہ جھوٹ کیوں بولا آپ نے میرے انجام کے بارے میں؟" وہ پٹی لپیٹ کے گرہ دیتے ہوئے بولی۔ "ایسی بے کار بات کہنے کی کیا ضرورت تھی؟"

وہ خاموشی سے اس کی جھکی نظریں دیکھے گیا' پھر نگاہیں پھیر لیں۔ گردن میں گلٹی سی ابھر کے معدوم ہوئی۔

"تم مجھے یہاں سے نکالنے کی فکر کرو۔ باقی باتیں چھوڑو۔" موضوع بدل دیا تو اس نے مسکرا کے پٹی کی گرہ لگائی اور تھال سے رومال اٹھا کے ہاتھ پونچھے۔

"جیسا کہ میں نے کہا...تالیہ کے پاس ہمیشہ پلان ہوتا ہے۔"

اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ مدھم روشنی میں بھی اس کی چمکتی آنکھیں واضح دکھائی دیتی تھیں۔

فاتح نے بس مسکرا کے اسے دیکھا۔ زخمی قیدی کے جسم پہ جابجا پٹیاں بندھی تھیں اور رنگت زرد ہو رہی تھی لیکن پھر بھی وہ مسکرا رہا تھا۔

☆☆☆

ابوالخیر کی حویلی کے احاطے میں غلام معمول کے مطابق کام کرتے دکھائی دے رہے تھے۔ سامان کندھوں پہ اٹھائے سوکھے سڑے نقاہت زدہ اجسام کے مالک غلام ادھر ادھر آجا رہے تھے۔ پھر سے کوئی تعمیراتی کام شروع تھا اور وہ جانوروں کی مانند مشقت میں لگے تھے۔

حویلی کے اندر دیوان خانے میں بڑی بڑی کھڑکیاں تھیں جن کے پردے ہٹے تھے اور خوب ساری روشنی اندر آرہی تھی۔ سامنے خوب صورت مسہریاں رکھی تھیں جن میں سے ایک پہ ابوالخیر بیٹھا غور سے سامنے براجمان مراد اور راجہ کو دیکھ رہا تھا۔

مراد بظاہر پرسکون نظر آتا تھا۔ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے' روشن کھڑکیوں کو دیکھتے ہوئے مسلسل ناخن سے تھوڑی کو رگڑتا ہوا..... مگر جب سے وہ آیا تھا' فضا میں ایسا تناؤ گھل گیا تھا کہ ابوالخیر کو بھی اب تجسس ہونے لگا تھا۔

"راجہ..... سب ٹھیک تو ہے نا؟"

"بندا بارا تمہارے مہمان خانے پہ آیا ہے تو ظاہر ہے سب ٹھیک نہیں ہے۔" مراد نے ابرو بھینچ لیے اور ناخوشی کے عالم میں کہنے لگا۔

"عجیب مشکلات آن پڑی ہیں۔"

ابوالخیر آگے کو ہوا۔ چہرے پہ تشویش ابھری۔

"راجہ..... آپ ہر مشکل میں مجھے اپنے ساتھ پائیں گے۔ بتائیے' کیا بات ہے۔"

"میں نے تمہیں جب وزیر خزانہ بنوایا تھا اور ملاکہ میں امان دی تھی حالانکہ تم پچھلے سلطان کے حامی تھے تو میں نے ایک عہد لیا تھا تم سے۔"

"مجھے یاد ہے' راجہ۔ آپ نے کہا تھا کہ اگر میں سلطان سے زیادہ آپ کا وفادار ہو جاؤں تو وقت آنے پہ آپ سلطان سے زیادہ مجھ سے وفا نبھائیں گے۔"

"اور وہ وقت آگیا ہے' ابوالخیر۔" مراد بھی آگے کو جھکا اور آواز دھیمی کی۔ "ہمیں مرسل شاہ کا تختہ الٹنا ہے۔"

کمرے میں ایک دم گمبھیر سناٹا چھا گیا۔ ابوالخیر نے بے یقینی سے ابرو اٹھایا۔ "لیکن مرسل شاہ تو ہماری مرضی کے مطابق کام کر رہا ہے۔"

باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ